تالیف: حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ رحمۃ اللہ القوی

الفاظ قرآن کے معانی اور مطالب کی پہچان پر مشتمل ایمان افروز کتاب

موسوم بہ

علم القرآن

تالیف

مفسر قرآن حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ رحمۃ اللہ الغنی

پیش کش

مجلس المدینۃ العلمیۃ (شعبہ تخریج)

ناشر

مکتبۃ المدینہ باب المدینہ کراچی

الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ وعلیٰ آلک واصحابک یا حبیب اللہ

نام کتاب : علم القرآن

مؤلف : حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ رحمۃ اللہ الغنی

پیش کش : مجلس المدینۃ العلمیۃ (شعبہ تخریج)

سن طباعت : شوال المکرّم ۱۴۲۸ھ بمطابق نومبر 2007ء

ناشر : مکتبۃ المدینہ باب المدینہ کراچی

مکتبۃ المدینہ کی شاخیں

- ......**کراچی** : شہید مسجد، کھارادر، باب المدینہ کراچی فون:021-32203311
- ......**لاھور** : داتا دربار مارکیٹ، گنج بخش روڈ فون:042-37311679
- ......**سردار آباد** : (فیصل آباد) امین پور بازار فون:041-2632625
- ......**کشمیر** : چوک شہیداں، میر پور فون:058274-37212
- ......**حیدر آباد** : فیضانِ مدینہ، آفندی ٹاؤن فون:022-2620122
- ......**ملتان** : نزد پیپل والی مسجد، اندرون بوہڑ گیٹ فون:061-4511192
- ......**اوکاڑہ** : کالج روڈ بالمقابل غوثیہ مسجد، نزد تحصیل کونسل ہال فون:044-2550767
- ......**راولپنڈی** : فضل داد پلازہ، کمیٹی چوک، اقبال روڈ فون:051-5553765
- ......**خان پور** : دُرانی چوک، نہر کنارہ فون:068-5571686
- ......**نواب شاہ** : چکرا بازار، نزد MCB فون:0244-4362145
- ......**سکھر** : فیضانِ مدینہ، بیراج روڈ فون:071-5619195
- ......**گوجرانوالہ** : فیضانِ مدینہ، شیخوپورہ موڑ، گوجرانوالہ فون:055-4225653
- ......**پشاور** : فیضانِ مدینہ، گلبرگ نمبر 1، النور سٹریٹ، صدر

E.mail: ilmia@dawateislami.net

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

''محبت میں اپنی گُما یا الٰہی'' کے 20 حُروف کی نسبت سے اس کتاب کو پڑھنے کی ''20 نیّتیں''

فرمانِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلم: **نِیَّۃُ الْمُؤْمِنِ خَیْرٌ مِّنْ عَمَلِہٖ** مسلمان کی نیّت اس کے عمل سے بہتر ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، الحدیث: ۵۹۴۲، ج۶، ص۱۸۵، داراحیاء التراث العربی بیروت)

دومَدَنی پھول: ﴿۱﴾ بِغیر اچّھی نیّت کے کسی بھی عملِ خیر کا ثواب نہیں ملتا۔

﴿۲﴾ جتنی اچّھی نیّتیں زِیادہ، اُتنا ثواب بھی زِیادہ۔

﴿۱﴾ ہر بار حمد و ﴿۲﴾ صلوٰۃ اور ﴿۳﴾ تعوُّذ و ﴿۴﴾ تَسمِیہ سے آغاز کروں گا۔ (اسی صَفْحہ پر اُوپر دی ہوئی دو عَرَبی عبارات پڑھ لینے سے چاروں نیّتوں پر عمل ہو جائے گا۔) ﴿۵﴾ رِضائے الٰہی عَزَّوَجَلَّ کیلئے اس کتاب کا اوّل تا آخر مطالَعہ کروں گا۔ ﴿۶﴾ حتَّی الْوَسْعِ اِس کا باوُضُو اور ﴿۷﴾ قبلہ رُو مُطالَعہ کروں گا ﴿۸﴾ قرآنی آیات اور ﴿۹﴾ اَحادیثِ مبارَکہ کی زِیارت کروں گا ﴿۱۰﴾ جہاں جہاں ''اللہ'' کا نام پاک آئے گا وہاں عَزَّوَجَلَّ اور ﴿۱۱﴾ جہاں جہاں ''سرکار'' کا اِسمِ مبارَک آئے گا وہاں صلی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلم پڑھوں گا۔ ﴿۱۲﴾ اس روایت ''عِنْدَ ذِکْرِ الصَّالِحِیْنَ تَنَزَّلُ الرَّحْمَۃُ یعنی نیک لوگوں کے ذِکر کے وقت رَحمت نازل ہوتی ہے۔'' (حِلیۃُ الاولیاء، الحدیث ۱۰۷۵۰، ج۷، ص۳۳۵، دارالکتب العلمیۃ بیروت) پر عمل کرتے ہوئے اس کتاب میں دیئے

گئے واقعات دوسروں کو سُنا کر ذکرِ صالحین کی بَرَکتیں لُوٹوں گا ﴿۱۳﴾ (اپنے ذاتی نسخے پر) عِندَ الضَّرورت خاص خاص مَقامات پر انڈر لائن کروں گا۔ ﴿۱۴﴾ (اپنے ذاتی نسخے پر) ''یادداشت'' والے صَفْحَہ پرضَروری نِکات لکھوں گا۔ ﴿۱۵﴾ دعوتِ اسلامی کے مدنی قافلوں میں سفر کروں گا۔ ﴿۱۶﴾ مدنی انعامات پر عمل کرتے ہوئے اس کا کارڈ بھی جمع کروایا کروں گا۔ ﴿۱۷﴾ دوسروں کو یہ کتاب پڑھنے کی ترغیب دلاؤں گا۔ ﴿۱۸، ۱۹﴾ اس حدیثِ پاک ''تَهَادَوْا تَحَابُّوْا'' ایک دوسرے کوتحفہ دو آپس میں محبت بڑھے گی۔ (الموطاء للامام مالك،الحديث: ۱۷۳۱، ج۲،ص ۴۰۷، دارالمعرفة بيروت) پر عمل کی نیت سے (ایک یاحسبِ توفیق) یہ کتاب خرید کر دوسروں کوتحفۃً دوں گا۔ ﴿۲۰﴾ کتابت وغیرہ میں شَرْعی غلَطی ملی تو ناشرین کوتحریری طور پر مُطَّلع کروں گا۔ (مصنّف یاناشِرین وغیرہ کو کتابوں کی اَغلاط صِرْف زبانی بتانا خاص مفید نہیں ہوتا)

اچھی اچھی **نیّتوں** سے متعلق رَہنمائی کیلئے، **امیرِ اہلسنّت** دامت بَرَکاتُہمُ العالیہ کا منفرِد سنّتوں بھرا بیان **''نیّت کا پھل''** اور نیتوں سے متعلق آپ کے مُرتّب کردہ **کارڈ** یا **پمفلٹ** **مکتبة المدينه** کی کسی بھی شاخ سے ھدیّۃً حاصل فرمائیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

المدینة العلمیة

از: شیخِ طریقت، امیرِ اہلسنّت، بانیٔ دعوتِ اسلامی حضرت علاّمہ
مولانا ابو بلال **محمد الیاس عطار** قادری رضوی ضیائی دامت برکاتہم العالیہ

الحمد للّٰہ علٰی اِحْسَانِہٖ وَ بِفَضْلِ رَسُوْلِہٖ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم

تبلیغِ قرآن و سنّت کی عالمگیر غیر سیاسی تحریک **''دعوتِ اسلامی''** نیکی کی دعوت، اِحیائے سنّت اور اشاعتِ علمِ شریعت کو دنیا بھر میں عام کرنے کا عزمِ مُصمّم رکھتی ہے، اِن تمام اُمور کو بحسنِ خوبی سر انجام دینے کے لئے متعدّد مجالس کا قیام عمل میں لایا گیا ہے جن میں سے ایک مجلس **'' المدینة العلمیة ''** بھی ہے جو دعوتِ اسلامی کے عُلماء و مُفتیانِ کرام کَثَّرَ ھُمُ اللّٰہُ تعالٰی پر مشتمل ہے، جس نے خالص علمی، تحقیقی اور اشاعتی کام کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اس کے مندرجہ ذیل چھ شعبے ہیں:

(۱) شعبۂ کُتُبِ اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۲) شعبۂ درسی کُتُب
(۳) شعبۂ اصلاحی کُتُب (۴) شعبۂ تراجمِ کتب
(۵) شعبۂ تفتیشِ کُتُب (۶) شعبۂ تخریج

''المدینة العلمیة'' کی اوّلین ترجیح سرکارِ اعلیٰحضرت اِمامِ اَہلسنّت، عظیم البَرَکت، عظیمُ المرتبت، پروانۂ شمعِ رِسالت، مُجَدِّدِ دین و مِلّت، حامیٔ

سنّت ، ماحیٔ بِدعت، عالمِ شریعت ، پیرِ طریقت ،باعثِ خیر و برکت ، حضرتِ علاّمہ مولٰینا الحاج الحافِظ القاری الشّاہ امام اَحمد رَضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن کی گِراں مایہ تصانیف کو عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق حتَّی الْوُسعَ سَہْل اُسلُوب میں پیش کرنا ہے۔

تمام اسلامی بھائی اور اسلامی بہنیں اِس عِلمی ،تحقیقی اور اشاعتی مدنی کام میں ہر ممکن تعاون فرمائیں اور مجلس کی طرف سے شائع ہونے والی کُتُب کا خود بھی مطالعہ فرمائیں اور دوسروں کو بھی اِس کی ترغیب دلائیں۔

اللہ عزوجل ''دعوتِ اسلامی'' کی تمام مجالس بَشُمُول ''**المدینة العلمية** '' کو دن گیارہویں اور رات بارہویں ترقّی عطا فرمائے اور ہمارے ہر عملِ خیر کو زیورِ اخلاص سے آراستہ فرما کر دونوں جہاں کی بھلائی کا سبب بنائے۔ ہمیں زیرِ گنبدِ خضرا شہادت ،جنّت البقیع میں مدفن اور جنّت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلّم

رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ

پیش لفظ

تمام تعریفیں اللہ عزوجل کے لیے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور درود وسلام ہوں تمام رسولوں میں افضل ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پر اور آپ کی آل اور اصحاب پر، اما بعد! قرآن کریم وہ بلند رتبہ کتاب ہے جس میں شک کی گنجائش نہیں، جسے اللہ تعالیٰ نے ایسے عظیم نبی پر نازل فرمایا جن کے ذریعے نبیوں کی آمد کا سلسلہ مکمل ہوا اور وہ ایک ایسا دین لے کر تشریف لائے جو خاتم الادیان ٹھہرا۔ یہ وہ کتاب ہے جو مخلوق کی اصلاح کے لیے خالق کا دستور ہے۔ زمین والوں کی ہدایت ورہنمائی کے لیے آفاقی قانون ہے، اس کو نازل فرمانے کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے تمام سابقہ شریعتوں کو منسوخ فرمادیا اور قیامت تک کے لیے صرف شریعت محمدی اور دین اسلام کے واجب القبول ہونے کا اعلان کردیا۔

قرآن مجید دین اسلام اور شریعت محمدی کی اساس اور برہان ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر دلائل ہیں، انبیائے سابقین اور سیدنا حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی نبوت، رسالت اور ان کی عظمتوں کا بیان ہے، حلال اور حرام، عبادات اور معاملات، آداب اور اخلاق کے جملہ احکام کا تذکرہ ہے، حشر ونشر اور جنت ودوزخ کا تفصیل سے ذکر ہے اور انسان کی ہدایت کے لیے جس قدر امور کی ضرورت ہوسکتی ہے اس سب کا قرآن مجید میں بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (پ ١٤، النحل: ٨٩)

ترجمہ کنزالایمان: اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے۔

لہٰذا ہر دور میں ارباب علم وفضل اور اصحاب تحقیق نے مختلف شکلوں میں قرآن پاک کے ہر پہلو پر ممکنہ تحقیقی کام جاری رکھا ہے۔کبھی قرآن کے الفاظ اور اس کی ادائیگی کے طریقوں پر تحقیق ہوئی تو کبھی قرآن پاک کا اسلوب اور اعجاز مرجع التفات رہا۔کوئی قرآن پاک کی کتابت اور رسم الخط کے طریقوں کو اپنا موضوع تحقیق بناتا ہے تو کسی کا وظیفہ حیات اور شغل زندگی قرآن مجید کی تفسیر اور اس کی آیات کی شرح کرنے کی سعادت حاصل کرنا رہا ہے،اسی طرح اور بہت سے گوشوں پر تحقیقی کام ہوا۔

علمائے امت نے قرآن مجید کے مختلف پہلوؤں پر الگ الگ تحقیق وریسرچ کر کے مستقل کتابیں تالیف کی ہیں، ان کے لیے علوم وضع کیے اور کتب مدون فرمائیں اور اس وسیع میدان میں بہت بلیغ کوششیں فرمائی ہیں اور یہ سلف صالحین کی کوششوں ہی کا نتیجہ ہے کہ آج ان بزرگوں کی مساعی جمیلہ اور عظیم کارناموں کی بدولت نہایت قابل قدر علمی سرمایہ سے ہمارے کتب خانے مالا مال ہیں اور اس گراں قدر علمی سرمایہ پر ہمیں بجا طور پر فخر رہا ہے۔

اس طرح علماء محققین کی کاوشوں سے آج ہمیں جملہ علوم وفنون پر گراں بہا تصانیف دستیاب ہیں اور ''علم القرآن لترجمۃ الفرقان'' بھی انہیں میں سے ایک بیش بہا خزانہ ہے۔مفسر قرآن حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ رحمۃ اللہ الغنی کی ذات ستودہ صفات کسی تعارف کی محتاج نہیں،آپ کے زور قلم اور تبحر علمی کا اندازہ **''جاء الحق'' ''شان حبیب الرحمٰن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' ''سلطنت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' ''اسلامی زندگی'' ''دیوان سالک''** اور آپ کی شہرہ آفاق تفسیر **''تفسیر نعیمی''** سے لگایا جاسکتا ہے۔زیر نظر کتاب ''علم القرآن'' بھی آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قرآن فہمی اور وسعت علمی کا منہ بولتا

ثبوت ہے، جسے آپ نے نہایت عرق ریزی سے بڑی مہارت کے ساتھ ترتیب دیا ہے اور بہت آسان انداز میں ترجمہ قرآن کے اصول بیان فرمائے ہیں۔ اس کتاب کی ضرورت کیوں پیش آئی، اس بارے میں خود آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابتدائی صفحات میں بڑی تفصیل سے وضاحت فرمائی اور اس ضمن میں باطل فرقوں کے خود ساختہ تراجم کی نقاب کشائی کر کے ان (فرقوں) کی اصل حقیقت بیان کردی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہماری طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے اور ہمیں اس کتاب سے کما حقہ مستفید و مستفیض ہونے کی توفیق رفیق مرحمت فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم

الحمد للہ عزوجل تبلیغِ قرآن وسنت کی عالمگیر غیر سیاسی تحریک ''دعوتِ اسلامی'' کی مجلس ''المدینة العلمية'' نے اکابرین و بزرگان اہلسنت کی مایہ ناز کتب کو حتی المقدور جدید انداز میں شائع کرنے کا عزم کیا ہے، چنانچہ ''المدینة العلمية'' کے مدنی عملہ کے علماء نے اس کتاب پر درج ذیل کام کرنے کی سعادت حاصل کی:

☆ نئی کمپوزنگ، جس میں علامات ترا قیم کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔

☆ محتاط پروف ریڈنگ، متن کی حتی المقدور تصحیح کے لیے دیگر مطبوعہ نسخوں سے مقابلہ۔

☆ حوالہ جات کی حتی المقدور تخریج، نیز فارسی عبارات کی درستگی اور پیرابندی وغیرہ۔

☆ اور سب سے اہم اور توجہ طلب کام آیات قرآنی کی تصحیح و تطبیق، کیونکہ اس کتاب میں سینکڑوں مقامات پر آیات قرآنیہ اپنی برکات لٹا رہی ہیں۔ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ان مدنی علماء کی یہ کوشش قبول فرمائے اور انہیں جزائے جزیل عطا فرمائے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنْهُمْ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ

شعبہ تخریج (مجلس المدینۃ العلمیۃ)

فہرست

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

دیباچہ

یہ زمانہ جس پُرخطر دور سے گزر رہا ہے وہ سب پر ظاہر ہے کہیں الحادو بے دینی کی ہوائیں چل رہی ہیں کہیں دیو بندیت، مرزائیت کی آندھیاں اٹھ رہی ہیں، ہر روز نئے نئے فرقے جنم لے رہے ہیں اور ہر فرقہ بغل میں قرآن دبا کر ہی دام فریب میں مبتلا کرنا چاہتا ہے جس کو دیکھو قرآن سنا سنا کر اپنی سچائی کا اعلان کر رہا ہے۔ جاہل سے جاہل بھی اپنے کو علامۂ زمان سمجھ کر اکابرین اسلام بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ذات بابرکات پر بھی زبان طعن دراز کرنے سے نہیں چُوکتا اور اپنے مقصد کیلئے قرآن کریم ہی کو پیش کر کے بھولے بھالے مسلمانوں کو گمراہ کرنے میں کوشاں ہے اور ترجمہ قرآن کی آڑ میں بے دینی پھیلا رہا ہے یہی وہ زمانہ ہے جس کے بارے میں نبی کریم سرورِکائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''مسلمان کے لئے اس وقت زمین کی پیٹھ سے زمین کا پیٹ بہتر ہے خوش قسمت ہے وہ شخص جو اس زمانے میں دین سلامت لے گیا۔'' (حدیث)

مسلمانو! دین اسلام بہت بڑی دولت ہے اس کی حفاظت بہت ہی ضروری ہے۔ مفسر قرآن حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خاں صاحب قبلہ نے مسلمانوں کو ترجمہ قرآن پڑھنے کیلئے اور فتنے سے بچانے کے لئے یہ کتاب تصنیف فرمائی ہے تاکہ اس کو پڑھ کر مسلمان قرآن کی صحیح فہم حاصل کر سکیں۔ اس کتاب میں قرآن کی اصطلاحیں قرآن کے قواعد اور قرآنی مسائل اس عمدہ طریقے سے بیان کئے گئے ہیں کہ جن سے ترجمہ قرآن بہت آسان ہو جاتا ہے۔

صاحبزادہ اقتدار احمد خاں مفتی دارالعلوم مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ وَالۡعَاقِبَةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنۡ كَانَ نَبِيًّا وَّاٰدَمُ بَيۡنَ الۡمَاءِ وَالطِّيۡنِ سَيِّدِنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهِ الطَّيِّبِيۡنَ وَاَصۡحَابِهِ الطَّاهِرِيۡنَ اِلٰى يَوۡمِ الدِّيۡنِ

آج سے پچاس سال پہلے مسلمانوں کا یہ طریقہ تھا کہ عام مسلمان قرآن کریم کی تلاوت محض ثواب کی غرض سے کرتے تھے اور روزانہ کے ضروری مسائل پاکی پلیدی، روزہ نماز کے احکام میں بہت محنت اور کوشش کرتے تھے۔ عام مسلمان قرآن شریف کا ترجمہ کرتے ہوئے ڈرتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ یہ دریا ناپیدا کنار ہے۔ اس میں غوطہ وہی لگائے جو اس کا شناور ہو، بے جانے بوجھے دریا میں کودنا جان سے ہاتھ دھونا ہے اور بے علم وفہم کے قرآن شریف کے ترجمہ کو ہاتھ لگانا اپنے ایمان کو برباد کرنا ہے نیز ہر مسلمان کا خیال تھا کہ قرآن شریف کے ترجمہ کا سوال ہم سے نہ قبر میں ہوگا نہ حشر میں۔ ہم سے سوال عبادات، معاملات کا ہوگا اسے کوشش سے حاصل کرو یہ تو عوام کی روش تھی رہے علماء کرام اور فضلائے عظام، ان کا طریقہ یہ تھا کہ قرآن کریم کے ترجمہ کے لئے قریباً اکیس علوم میں محنت کرتے تھے مثلاً صرف، نحو، معانی، بیان، بدیع، ادب، لغت، منطق، فلسفہ، حساب، جیومیٹری، فقہ، تفسیر، حدیث، کلام، جغرافیہ، تواریخ اور تصوف، اصول وغیرہ۔ ان علوم میں اپنی عمر کا کافی حصہ صرف کرتے تھے۔ جب نہایت جانفشانی اور عرق ریزی سے ان علوم میں پوری مہارت حاصل کر لیتے تب قرآن شریف کے ترجمہ کی طرف توجہ کرتے پھر بھی اتنی احتیاط سے کہ آیات متشابہات کو ہاتھ نہ لگاتے تھے کیونکہ اس قسم کی آیتیں رب تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان راز و نیاز ہیں، اغیار کو یار کے معاملہ میں دخل دینا روا نہیں

میان طالب و مطلوب رمز یست! کراما کاتبیں راہم خبر نیست!

رہیں آیات محکمات ان کے ترجمہ میں کوشش تو کرتے مگر گزشتہ سارے علوم کا لحاظ رکھتے ہوئے مفسرین، محدثین، فقہا کے فرمان پر نظر کرتے ہوئے پھر بھی پوری کوشش کرنے کے باوجود قرآن کریم کے سامنے اپنے کو طفل مکتب جانتے تھے۔

اس طریقۂ کار کا فائدہ یہ تھا کہ مسلمان بدمذہبی، لادینی کا شکار نہ ہوتے تھے وہ جانتے بھی نہ تھے کہ قادیانی کس بلا کا نام ہے اور دیوبندی کہاں کا بھوت ہے۔ غیر مقلدیت، نیچریت کس آفت کو کہتے ہیں۔ چکڑالوی کس جانور کا نام ہے۔ علماء کے وعظ خوف خدا عظمت و ہیبت حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، مسائل دینیہ اور علمی معلومات سے بھرے ہوتے تھے وعظ سننے والے وعظ سن کر مسائل ایسے یاد کرتے تھے جیسے آج طالب علم سبق پڑھکر تکرار کرتے ہیں کہ آج مولوی صاحب نے فلاں فلاں مسئلہ بیان فرمایا ہے غرضیکہ عجیب نوری زمانہ تھا اور عجب نورانی لوگ تھے۔

اچانک زمانہ کا رنگ بدلا، ہوا کے رخ میں تبدیلی ہوئی بعض نادان دوستوں اور دوست نما دشمنوں نے عام مسلمانوں میں ترجمہ قرآن کرنے اور سیکھنے کا جذبہ پیدا کیا اور عوام کو سمجھایا کہ قرآن عوام ہی کی ہدایت کے لئے آیا ہے اس کا سمجھنا بہت سہل ہے۔ ہر شخص اپنی عقل و سمجھ سے ترجمہ کرے اور احکام نکالے اس کے لئے کسی علم کی ضرورت نہیں۔ عوام میں یہ خیال یہاں تک پھیلایا کہ لوگوں نے قرآن کو معمولی کتاب اور قرآن والے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو معمولی بشر سمجھ کر قرآن کے ترجمے بے دھڑک شروع کر دیئے اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات کا انکار بلکہ اس ذات

کریم سے برابری کا دعوی شروع کر دیا۔

اب عوام جہلا یہاں تک پہنچ چکے ہیں کہ خواندہ، ناخواندہ، انگریزی تعلیم یافتہ لغت کی تھوڑی باتیں یاد کر کے بڑے دعوے سے قرآن کا ترجمہ کر رہا ہے اور جو کچھ اس کی ناقص سمجھ میں آتا ہے اسے وحی الٰہی سمجھتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں روزانہ نئے نئے فرقے پیدا ہو رہے ہیں جو ایک دوسرے کو کافر، مشرک، مرتد اور خارج از اسلام سمجھتے ہیں۔

لطیفہ:

ایک اردو اسکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب نے دوران تقریر کہا کہ جس کو قرآن کا ترجمہ نہ آتا ہو وہ نماز ہی نہ پڑھے کہ جب عرضی دینے والے کو یہ خبر ہی نہیں کہ درخواست میں کیا لکھا ہے تو درخواست ہی بیکار ہے میں نے کہا کہ پھر عربی زبان میں نماز پڑھنے کی کیا ضرورت ہے موجودہ انجیلوں کی طرح قرآن کے اردو ترجمے اور اردو خلاصے بنالو، اس میں نماز پڑھ لیا کرو، رب تعالیٰ اردو جانتا ہے۔ اس پر وہ خاموش ہوگئے۔

آج ہر بد مذہب ہر شخص کو قرآن کی طرف بلا رہا ہے کہ آؤ میرا دین قرآن سے ثابت ہے اسی پر فتن زمانہ کی خبر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دی تھی۔ اور ایسے دجالوں کا ذکر سرکار نے فرمایا تھا: یَدْعُوْنَ اِلٰی کِتَابِ اللّٰہِ وہ گمراہ گروہ ہر ایک کو قرآن کی طرف بلائے گا۔

(سنن ابی داود، کتاب السنة، باب فی قتال الخوارج، الحدیث ٤٧٦٥، ج٤، ص ٣٢٠، دار احیاء التراث العربی بیروت)

رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

وَالَّذِیۡنَ اِذَا ذُکِّرُوۡا بِاٰیٰتِ رَبِّہِمۡ لَمۡ یَخِرُّوۡا عَلَیۡہَا صُمًّا وَّعُمۡیَانًا ۝ مسلمان اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر گونگے اندھے ہوکرنہیں گر پڑتے۔

(پ ۱۹،الفرقان:۷۳)

کانپور میں ایک بدمذہب پیدا ہوا، مسمی عزیز احمد حسرت شاہ جس نے ماہوار رسالہ ''شحنۂ شریعت'' جاری کیا۔ اس میں بالالتزام لکھتا تھا کہ سارے نبی پہلے مشرک تھے، گنہگار تھے، معاذ اللہ بدکردار تھے، پھر توبہ کرکے اچھے بنے اور حسب ذیل آیات سے دلیل پکڑتا تھا کہ رب تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: وَعَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی ۝ (پ ۱۶،طٰہٰ: ۱۲۱) آدم علیہ السلام نے رب کی نافرمانی کی لہٰذا گمراہ ہوگئے۔ حضور علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَہَدٰی ۝ (پ ۳۰،الضحی:۷) یعنی رب نے تمہیں گمراہ پایا تو ہدایت دی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چاند، ستارے، سورج کو اپنا رب کہا، یہ شرک ہے۔ فَلَمَّا رَاَ الشَّمۡسَ بَازِغَۃً قَالَ ہٰذَا رَبِّیۡ (پ ۷،الانعام ۷۸) حضرت آدم وحوا کے بارے میں فرمایا: جَعَلَا لَہٗ شُرَکَآءَ فِیۡمَاۤ اٰتٰہُمَا (پ ۹،الاعراف: ۱۹۰) ان دونوں نے اپنے بچہ میں رب کا شریک ٹھہرایا۔ یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: وَلَقَدۡ ہَمَّتۡ بِہٖ وَہَمَّ بِہَا ج لَوۡلَاۤ اَنۡ رَّاٰ بُرۡہَانَ رَبِّہٖ ط (پ ۱۲،یوسف: ۲۴) یقیناً زلیخا نے یوسف اور یوسف نے زلیخا کا قصد کرلیا اگر رب کی برہان نہ دیکھتے تو زنا کر بیٹھتے پھر لکھا کہ غیر عورت کو نظر بد سے دیکھنا اور برا ارادہ کرنا کتنا برا کام ہے جو یوسف علیہ السلام سے سرزد ہوا۔ داؤد علیہ السلام نے اوریا کی بیوی پر نظر کی اور اوریا کو قتل کروا دیا۔ یہاں تک بکواس کی کہ آدم علیہ السلام اور ابلیس دونوں سے گناہ بھی ایک ہی طرح کا ہوا اور سزا بھی یکساں ملی کہ ابلیس سے کہا

گیا: فَاخۡرُجۡ مِنۡهَا فَاِنَّکَ رَجِیۡمٌ ۝ (پ ۱٤، الحجر: ۳٤) تو جنت سے نکل جا تو مردود ہے۔ آدم علیہ السلام سے کہا گیا: قُلۡنَا اهۡبِطُوۡا مِنۡهَا جَمِیۡعًا ج (پ ۱، البقرۃ: ۳۸) ہم نے کہا کہ تم یہاں سے نکل جاؤ۔ غرضیکہ دونوں کو دیس نکالے کی سزا دی ہاں پھر آدم علیہ السلام نے توبہ کر لی اور ابلیس نے توبہ نہ کی۔ میں نے اس مرتد کو بہت سے جوابات دیئے مگر وہ یہ ہی کہتا رہا کہ میں قرآن پیش کر رہا ہوں کسی بزرگ، عالم، صوفی کے قول یا حدیث ماننے کو تیار نہیں۔ آخر کار میں نے اسے کہا کہ بتا رب تعالیٰ بھی بے عیب ہے کہ نہیں؟ بولا: ہاں! وہ بالکل بے عیب ہے، میں نے کہا کہ قرآن مجید میں ہے کہ خدا میں عیب بھی ہیں اور خدا چند ہیں۔ خدا کے دادا بھی ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے: وَمَکَرُوۡا وَمَکَرَ اللّٰهُ ط وَاللّٰهُ خَیۡرُ الۡمٰکِرِیۡنَ ۝ (پ ۳، ال عمرٰن: ۵٤) کفار نے فریب کیا اور خدا نے فریب کیا خدا اچھا فریب کرنے والا ہے۔ معاذ اللہ! دوسرے مقام پر فرماتا ہے: یُخٰدِعُوۡنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمۡ ج (پ ۵، النساء: ۱٤۲)۔ یہ خدا کو دھوکا دیتے ہیں اور خدا انہیں دھوکا دیتا ہے۔ دیکھو دھوکا، فریب دہی، نمبر ۱۰ کے عیب ہیں مگر قرآن میں خدا کے لئے ثابت ہیں۔ اور فرماتا ہے: وَاَنَّهٗ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا (پ ۲۹، الجن: ۳) ہمارے رب کا دادا بڑا خاندانی ہے۔ خدا کا دادا ثابت ہوا۔ اور فرماتا ہے: فَتَبٰرَکَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخَالِقِیۡنَ ۝ (پ ۱۸، المؤمنون: ۱٤) اللہ برکت والا ہے جو تمام خالقوں سے اچھا ہے۔ معلوم ہوا کہ خالق بہت سے ہیں۔ جب ترجمہ لفظی پر ہی معاملہ ہے تو اب رب کے لئے کیا کہے گا؟ تب وہ خاموش ہوا ہم نے اس سے جو گفتگو کی وہ اپنی کتاب ''قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء'' میں لکھ دی ہے جو جاء الحق کے ساتھ بطور ضمیمہ شائع ہو چکی ہے۔ دیکھا آپ نے ان اندھا دھند ترجموں کا یہ نتیجہ ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے دعوی نبوت کیا اور اپنی نبوت کے ثبوت میں قرآن ہی کو پیش کیا، کہا کہ قرآن کہتا ہے: اَللّٰهُ يَصْطَفِىْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ط (پ ۱۷، الحج: ۷۵) اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انسانوں میں سے رسول پیغمبر چنتا رہے گا۔ معلوم ہوا کہ پیغمبر، رسول آتے ہی رہیں گے وغیرہ وغیرہ۔ غرضیکہ اندھا دھند ترجمے بے ایمانی کی جڑ ہیں۔ آنکھوں پر پٹی باندھ لو جو چاہو بکواس کرو اور قرآن سے ثابت کر دو۔ ابھی حال ہی میں ایک کتاب میری نظر سے گزری ہے ''جواہر القرآن'' جو کسی ملحد غلام اللہ خاں (اللہ کے غلام) نے لکھی ہے اس میں بھی اندھا دھند ترجمہ کیا گیا ہے بتوں کی آیات پیغمبروں پر، کفار کی آیتیں مسلمانوں پر بے دھڑک چسپاں کر کے مصنف نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ دنیا بھر کے علماء، صوفیاء، مومنین اور صالحین مشرک تھے اور مسلمان موحد صرف میں ہی ہوں یا میری ذریت۔ بخاری شریف جلد دوم میں باب باندھا ہے۔ بَابُ الْخَوَارِجِ وَالْمُلْحِدِيْنَ خارجیوں اور بے دینوں کا باب وہاں ترجمہ باب میں فرمایا وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَرَاهُمْ شِرَارَ خَلْقِ اللّٰهِ وَقَالَ اِنَّهُمُ انْطَلَقُوْا اِلٰى اٰيَاتٍ نُزِلَتْ فِى الْكُفَّارِ فَجَعَلُوْهَا عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان خارجیوں، ملحدوں کو اللہ کی مخلوق میں بدتر سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ ان بے دینوں نے ان آیتوں کو جو کفار کے حق میں نازل ہوئیں مسلمانوں پر چسپاں کیا۔ (صحيح البخاری، كتاب استتابة المرتدين ... الخ، تحت الباب قتل الخوارج و الملحدين ...الخ، ج ٤، ص ٣٨٠، دار الكتب العلمية بيروت) یہ ہی طریقہ اس ملحد نے اختیار کیا ہے۔ غرضیکہ ترجمۂ قرآن بے دھڑک کرنا ہی ایسی بڑی بیماری ہے جس کا انجام ایمان کا صفایا ہے۔

ترجمہ قرآن میں دشواریاں

قرآن شریف عربی زبان میں اترا ،عربی زبان نہایت گہری زبان ہے۔ اولاً تو عربی زبان میں ایک لفظ کے کئی معنے آتے ہیں جیسے لفظ ''ولی'' کہ اس کے معنی ہیں دوست، قریب، مددگار، معبود، ہادی، وارث، والی، اور قرآن میں یہ لفظ ہر معنے میں استعمال ہوا ہے۔اب اگر ایک مقام کے معنی دوسرے مقام پر جڑ دیئے جائیں تو بہت جگہ کفر لازم آجاوے گا پھر ایک ہی لفظ ایک معنی میں مختلف لفظوں کے ساتھ ملکر مختلف مضامین پیدا کرتا ہے مثلاً شہادت بمعنی گواہی اگر ''عَلٰی'' کے ساتھ آئے تو خلاف گواہی بتاتا ہے اور اگر ''لام'' کے ساتھ آئے تو موافق گواہی کے معنی دیتا ہے۔ لفظ ''قَالَ'' بمعنی کہا۔اگر ''لام'' کے ساتھ آوے تو معنی ہوں گے اس سے کہا۔اگر ''فِیْ'' کے ساتھ آوے تو معنی ہوں گے اس کے بارے میں کہا۔اگر ''مِنْ'' کے ساتھ آوے تو معنی ہوں گے اس کی طرف سے کہا، ایسے ہی ''دعا'' کہ قرآن میں اس کے معنی پکارنا، بلانا، مانگنا اور پوجنا ہیں۔جب مانگنے اور دعا کرنے کے معنی میں ہو تو اگر ''لام'' کے ساتھ آوے گا تو اس کے معنی ہوں گے اسے دعا دی اور جب ''عَلٰی'' کے ساتھ آوے تو معنی ہونگے اسے بددعا دی۔

اسی طرح عربی میں لام، مِنْ، عَنْ، ب، سب کے معنی ہیں ''سے'' لیکن ان کے موقع استعمال علیحدہ ہیں اگر اس کا فرق نہ کیا جائے تو معنی فاسد ہوجاتے ہیں پھر محاورۂ عرب، فصاحت وبلاغت وغیرہ سب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ علم کامل کے بغیر یہ نہیں ہوسکتا اور جب عوام کے ہاتھ یہ کام پہنچ جائے تو جو کچھ ترجمہ کا

حشر ہوگا وہ ظاہر ہے۔اس لئے آج اس ترجمہ کی برکت سے مسلمانوں میں بہت فرقے بن گئے ہیں۔ یہ مترجم حضرات اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ جوان کے کیے ہوئے ترجمہ کو نہ مانے ،اسے مشرک مرتد ،کافر کہہ دیتے ہیں۔تمام علماء وصلحاء کو کافر سمجھ کر اسلام کو صرف اپنے میں محدود سمجھنے لگے ہیں، چنانچہ مولوی غلام اللہ خاں صاحب نے اپنی کتاب ''جواہر القرآن'' کے صفحہ ۱۴۱ ،۱۴۳ پر لکھا کہ جو کوئی نبی ، ولی ، پیر، فقیر کو مصیبتوں میں پکارے وہ کافر، مشرک ہے۔اس کا کوئی نکاح نہیں اور صفحہ ۱۵۲ پر تحریر فرمایا ہے کہ اس قسم کی نذر نیاز شرک ہے۔اس کا کھانا خنزیر کی طرح حرام ہے۔اس فتویٰ سے سارے مسلمان بلکہ خود دیوبندوں کے اکابر مشرک ہوگئے بلکہ خود مصنف صاحب کی بھی خیر نہیں وہ بھی اس کی زد سے نہیں بچے چنانچہ یہاں گجرات سے ایک صاحب نے تحریری استفتاء مولوی غلام اللہ خاں صاحب کی خدمت میں بذریعہ جوابی ڈاک بھیجا جس میں سوال کیا کہ آپ نے اپنی کتاب ''جواہر القرآن'' کے صفحات مذکورہ پر لکھا ہے کہ پیروں کے پکارنے والے کا نکاح کوئی نہیں اور نذر نیاز کا کھانا خنزیر کی طرح حرام ہے آپ کے محترم دوست اور دیوبندیوں کے مقتداء عالم عنایت اللہ شاہ صاحب گجراتی کے والد مولوی جلال شاہ صاحب ساکن دولتا نگر ضلع گجرات ،اور سنا گیا ہے کہ آپ کے والدین بھی گیارہویں کھاتے تھے اور کھلاتے تھے ''ختم غوثیہ'' پڑھتے تھے جس میں یہ شعر موجود ہے ؂

امداد کن امداد کن از بحر غم آزاد کن　　در دین ودنیا شاد کن یا شیخ عبدالقادر

جلال شاہ کے عینی گواہ ایک نہیں دو نہیں بہت زیادہ موجود ہیں فرمایا جاوے کہ ان کا نکاح ٹوٹا تھا یا نہیں اور اگر نکاح ٹوٹ گیا تھا تو آپ...... کے کیسے ہوئے

کیونکہ آپ اس ٹوٹے ہوئے نکاح کی اولاد ہیں نیز گیارہویں کا کھانا جب خنزیر کی طرح حرام ہوا تو جو کوئی اسے حلال جانے وہ مرتد ہوا اور مرتد کا نکاح فوراً ٹوٹ جاتا ہے تو آپ دونوں بزرگوں کے والد صاحبان اسے حلال جان کر کھاتے کھلاتے تھے۔ اب آپ کے...... ہونے کی کیا صورت ہے بصورت دیگر آپ دونوں بزرگوں کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اس کا جواب ابھی تک نہیں ملا اور امید بھی نہیں کہ ملے کیونکہ عربی کا مقولہ ہے: مَنْ حَفَرَ لِاَخِیْہِ وَقَعَ فِیْہِ جو دوسرے کے گرنے کو گڑھا کھودتا ہے خود اس میں گرتا ہے دوسرے مسلمانوں کے نکاح تو بعد میں ٹوٹیں گے پہلے اپنے والدین کے نکاح کی خبر لیں۔ کوئی صاحب ان بزرگوں سے اس معمہ کو حل کرا دیں اور اس کا جواب دلوا دیں ہم مشکور ہوں گے۔

غرض کہ بے دھڑک ترجمے بڑی خرابیوں کی جڑ ہیں اس سے قادیانی، نیچری، چکڑالوی، غیر مقلد، وہابی، دیوبندی، مودودی، بابی، بہائی وغیرہ فرقے بنے۔ ان سب فرقوں کی جڑ خود ساختہ ترجمے ہیں اس بدتر حالت کو دیکھتے ہوئے میرے محترم دوست حضرت سید الحاج محمد معصوم شاہ صاحب قبلہ قادری جیلانی نے بارہا فرمائش کی کہ کوئی ایسی کتاب لکھی جائے جو موجودہ ترجمۂ قرآن پڑھنے والوں کے لئے رہبر کا کام دے جس میں ایسے قواعد و اصطلاحات اور مسائل بیان کر دیئے جائیں جن کے مطالعہ سے ترجمہ پڑھنے والا دھوکا نہ کھائے چونکہ یہ کام بڑا تھا اور میں کثرت مشاغل کی وجہ سے بالکل فارغ نہ تھا اس لیے اس کام میں دیر لگتی رہی۔ اتفاقاً اس ماہ رمضان المبارک میں میرے محترم دوست قبلہ قاری الحاج احمد حسن صاحب خطیب عید گاہ گجرات میرے پاس ''جواہر القرآن'' لائے اور فرمایا کہ آپ لوگ آرام کر رہے ہیں اور ملحدین اس طرح مسلمانوں کو ترجمے دکھا کر گمراہ کر رہے ہیں، تب میرے دل میں خیال پیدا ہوا

کہ میں نے بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ٹکڑے کھائے ہیں، انہی کے نام پر پلا ہوں ان کے دروازے کا ادنیٰ چوکیدار ہوں اگر چوکیدار چور کو آتے دیکھ کر غفلت سے کام لے تو مجرم ہے اس وقت میرا خاموش رہنا واقعی جرم ہے، اللہ تعالیٰ کے کرم اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت پر بھروسا کر کے اس طرف توجہ کی۔ اس کتاب کے تین باب ہوں گے۔ پہلے باب میں قرآن کریم کی اصطلاحات بیان ہوں گی جس میں بتایا جاوے گا کہ قرآن کریم میں کون کون سا لفظ کس کس جگہ کس کس معنی میں آیا ہے۔ دوسرے باب میں قواعد قرآنیہ بیان ہوں گے جس میں ترجمۂ قرآن کرنے کے قاعدے عرض کیے جاویں گے جس سے ترجمہ میں غلطی نہ ہو۔ تیسرے باب میں کل مسائل قرآنیہ۔ اس باب میں وہ مسائل بھی بیان ہوں گے جو آج کل مختلف فیہ ہیں جن مسائل کی وجہ سے دیوبندی، وہابی، عام مسلمین کو مشرک و کافر کہتے ہیں انہیں صریح آیات سے ثابت کیا جاویگا تا کہ پتا لگے کہ یہ مسائل قرآن میں صراحۃً موجود ہیں اور مخالفین غلط ترجمہ سے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اس کتاب کا نام "علم القرآن لترجمۃ الفرقان" رکھتا ہوں۔ اپنے رب کریم سے امید قبولیت ہے جو کوئی اس کتاب سے فائدہ اٹھائے وہ مجھ گنہگار کے لئے دعا کرے کہ رب تعالیٰ اسے میرے گناہوں کا کفارہ اور توشۂ آخرت بنائے۔

وَمَا تَوْفِيْقِىْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ

احمد یار خاں نعیمی اشرفی

سرپرست: مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات (پاکستان)

۲۲ رمضان المبارک ۱۳۷۱ھ، دوشنبہ مبارک

مقدمہ

ترجمۂ قرآن سے پہلے اس قاعدے کو یادرکھنا ضروری ہے۔

آیاتِ قرآنیہ تین طرح کی ہیں بعض وہ جن کا مطلب عقل وفہم سے ورا ہے جس تک دماغوں کی رسائی نہیں انہیں ''متشابہات'' کہتے ہیں۔ان میں سے بعض تو وہ ہیں جن کے معنی ہی سمجھ میں نہیں آتے جیسے الٓمّٓ، حٰمٓ، الٓرٰ، وغیرہ انہیں ''مقطعات'' کہا جاتا ہے۔بعض وہ آیات ہیں جن کے معنی تو سمجھ میں آتے ہیں مگر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان کا مطلب کیا ہے کیونکہ ظاہری معنی بنتے نہیں جیسے

فَاَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡہُ اللّٰہِ ط (پ۱، البقرۃ:۱۱۵) تم جدھر منہ کرو ادھر اللہ کا وجہ (منہ) ہے۔

یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ ج (پ۲۶، الفتح:۱۰) اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ قف (پ۸، الاعراف:۵۴) پھر رب نے عرش پر استوا فرمایا۔

''وجہ'' کے معنی چہرہ۔''ید'' کے معنی ہاتھ۔''استوا'' کے معنی برابر ہونا ہے مگر یہ چیزیں رب کی شان کے لائق نہیں؛ لہٰذا متشابہات میں سے ہیں اس قسم کی آیتوں پر ایمان لانا ضروری ہے مطلب بیان کرنا درست نہیں اور دوسری قسم کی آیات کو ''آیاتِ صفات'' کہتے ہیں۔

بعض آیات وہ ہیں جو اس درجہ کی مخفی نہیں۔انہیں قرآنی اصطلاح میں ''محکمات'' کہتے ہیں۔قرآن کریم فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ مِنۡهُ اٰیٰتٌ مُّحۡکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الۡکِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ زَیۡغٌ فَیَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَهَ مِنۡهُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَةِ وَ ابۡتِغَآءَ تَاۡوِیۡلِهٖ ج وَ مَا یَعۡلَمُ تَاۡوِیۡلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ

رب وہ ہے جس نے آپ پر کتاب اتاری اس کی کچھ آیات صفات معنی آرائی ہیں وہ کتاب کی اصل ہیں اور دوسری وہ ہیں جن کے معنی میں اشتباہ ہے وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اشتباہ والی کے پیچھے پڑتے ہیں گمراہی چاہنے اور اس کے معنی ڈھونڈنے کو اور اس کا ٹھیک پہلو اللہ ہی کو معلوم ہے۔ (پ ۳، آل عمرٰن: ۷)

ان محکمات میں بعض آیات وہ ہیں جن کے معنی بالکل صاف وصریح ہیں۔ جن کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی جیسے قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ الخ۔ فرمادو وہ اللہ ایک ہے۔ انہیں نصوص قطعیہ کہا جاتا ہے۔ اور بعض آیات وہ ہیں جن میں نہ تو متشابہات کی سی پوشیدگی ہے کہ ذہن کی رسائی وہاں تک نہ ہو سکے نہ نصوص قطعیہ کی طرح ظہور ہے کہ تامل کرنا ہی نہ پڑے۔ اس قسم کی آیتوں میں تفسیر کی ضرورت ہے بغیر تفسیر کے صرف ترجمہ کبھی ہلاکت کا باعث ہوتا ہے۔

اس تفسیر کی چار صورتیں ہیں۔ ''تفسیر قرآن بالقرآن'' کیونکہ خود قرآن بھی اپنی تفسیر کرتا ہے۔ پھر ''تفسیر قرآن بالحدیث'' کیونکہ قرآن کو جیسا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سمجھا دوسرا نہیں سمجھ سکتا۔ پھر ''تفسیر قرآن بالاجماع'' یعنی علماء کا جس مطلب پر اتفاق ہوا وہی درست ہے۔ پھر ''تفسیر قرآن باقوال مجتہدین'' ان تمام تفسیروں میں پہلی قسم کی تفسیر بہت مقدم ہے کیونکہ جب خود کلام فرمانے والا رب تعالیٰ ہی اپنے کلام کی تفسیر فرمادے تو اور طرف جانا ہرگز درست نہیں۔ اگر پچاس آیتوں میں

ایک مضمون کچھ اجمال کے ساتھ بیان ہوا ہو اور ایک آیت میں اس کی تفصیل کردی گئی ہو تو یہ آیت ان پچاس آیتوں کی تفسیر ہوگی اور ان پچاس کا وہی مطلب ہوگا جو اس آیت نے بیان کیا۔ مثال سمجھو رب تعالیٰ نے بہت جگہ اہل کتاب کو مخاطب فرمایا ہے یا ان کا ذکر کیا ہے۔

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ (پ۳، آل عمرٰن: ۶۴)

فرمادو کہ اے کتاب والو آؤ ایسے کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم خدا کے سوا کسی کو نہ پوجیں۔

اہل کتاب کا ذکر بہت جگہ ہے مگر پتا یہ نہ لگتا تھا کہ کتاب سے کونسی کتاب مراد ہے اور اہل کتاب کون لوگ ہیں کیونکہ قرآن کو بھی کتاب کہا گیا ہے اور باقی تمام انسانی اور رحمانی کتابوں کو بھی کتاب کہتے ہیں۔ ہم نے قرآن سے اس کی تفسیر پوچھی تو خود قرآن نے فرمایا:

اَلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ (پ ۴، ال عمرٰن: ۱۸۶)

وہ لوگ جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے

اس آیت نے ان تمام آیتوں کی تفسیر فرمادی اور بتادیا کہ اہل کتاب نہ ہندو، سکھ ہیں کہ ان کے پاس آسمانی کتاب ہی نہیں۔ نہ مسلمان مراد ہیں کیونکہ اس کتاب سے پہلی آسمانی کتابیں مراد ہیں صرف عیسائی، یہودی یعنی انجیل و توریت کے ماننے والے مراد ہیں اسی طرح قرآن شریف نے جگہ جگہ صراط مستقیم یعنی سیدھا راستہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ ج وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ
یہ میراسیدھاراستہ ہےاس کی پیروی کرو دوسرے راستوں کی پیروی نہ کرو۔

(پ۸،الانعام:۱۵۳)

مگران آیات میں نہ بتایا کہ سیدھاراستہ کونسا ہےہم نے قرآن سے پوچھاتو اس نے اس کی تفسیر کی ہے۔

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ
ہمیں سیدھے راستہ کی ہدایت دے۔ ان لوگوں کاراستہ جن پرتونے انعام کیا۔

(پ۱،الفاتحۃ:۵۔۶)

اس آیت نے بتایا کہ قرآن میں جہاں کہیں سیدھا راستہ بولا گیا ہے اس سے وہ دین اور وہ مذہب مراد ہے جو اولیاء اللہ، علماء دین، صالحین کا مذہب ہو یعنی مذہب اہل سنت، نئے دین ومذہب ٹیڑھے راستہ ہیں اگرچہ اس مذہب کے بانی سارا قرآن ہی پڑھ کر ثابت کریں کہ یہ مذہب سچا ہے جیسے قادیانی، دیو بندی، شیعہ وغیرہ، اسی طرح قرآن شریف نے جگہ جگہ غیر اللہ کو پکارنے سے منع فرمایا اور پکارنے والے پر کفروشرک کافتوی دے دیا۔

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَالَا یَنْفَعُکَ وَلَا یَضُرُّکَ ج فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّکَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ۝ (پ۱۱،یونس:۱۰۶) اورخداکے سواکسی ایسےکونہ پکارو جونہ تمہیں نفع دےاورنہ نقصان پھراگرتم نے ایسا کیاتوتم ظالموں میں سے ہوگے۔

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ (پ۲۶،الاحقاف:۵) اس سے بڑھ کرگمراہ کون ہے جوغیر خدا کو پکارتے ہیں۔

وَضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَدۡعُوۡنَ مِنۡ قَبۡلُ (پ۲۵،حٰمٓ السجدۃ:٤٨) اور غائب ہوگئے ان سے وہ جنہیں پہلے یہ پکارتے تھے۔

وَالَّذِيۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ مَا يَمۡلِكُوۡنَ مِنۡ قِطۡمِيۡرٍ ؕ (پ۲۲،فاطر:۱۳) تم خدا کے سوا جسے پکارتے ہو وہ چھلکے کے بھی مالک نہیں۔

اس قسم کی بیسیوں آیات ہیں جن میں غیر خدا کو پکارنے سے منع فرمایا گیا بلکہ پکارنے والوں کو مشرک کہا گیا اگر ان آیتوں کو مطلق رکھا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ حاضر، غائب، زندہ، مردہ، کسی کو نہ پکارو لیکن یہ معنی خود قرآن کی دوسری آیات کے بھی خلاف ہیں اور عقل کے بھی۔ خود قرآن کریم نے فرمایا: اُدۡعُوۡهُمۡ لِاٰبَآئِهِمۡ (پ۲۱،الاحزاب:۵) انہیں ان کے باپوں کی نسبت سے پکارا کرو۔

وَالرَّسُوۡلُ يَدۡعُوۡكُمۡ فِىۡۤ اُخۡرٰٮكُمۡ (پ٤،ال عمران:۱۵۳) اور رسول تم کو پچھلی جماعت میں پکارتے تھے۔ ثُمَّ ادۡعُهُنَّ يَاۡتِيۡنَكَ سَعۡيًا ؕ (پ۳،البقرۃ:۲۶۰) اے ابراہیم پھر ان ذبح کئے ہوئے مردہ جانوروں کو پکارو وہ تم تک دوڑتے آئیں گے۔

اس قسم کی بیسیوں آیتیں ہیں جن میں زندوں اور مردوں کے پکارنے کا ذکر ہے۔ نیز ہم دن رات ایک دوسرے کو پکارتے ہیں۔ نماز میں بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو پکار کر سلام عرض کرتے ہیں۔ ’’اَلسَّلَامُ عَلَيۡكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحۡمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ‘‘ اے نبی تم پر سلام اور اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں۔

لہٰذا ضرورت پڑی کہ ہم قرآن شریف سے ہی پوچھیں کہ ممانعت کی آیتوں میں پکارنے سے کیا مراد ہے تو قرآن شریف نے اس کی تفسیر یوں فرمائی۔

وَمَنۡ يَّدۡعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرۡهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنۡدَ

رَبِّهٖ ط (پ ۱۸، المؤمنون: ۱۱۷) اور جو کوئی اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کو پکارے جس کی کوئی دلیل اس کے پاس نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہوگا۔

فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًاo (پ ۲۹، الجن: ۱۸) اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو۔

ان آیتوں نے بتایا کہ جن آیتوں میں غیر خدا کو پکارنے سے روکا گیا ہے وہاں اسے خدا سمجھ کر پکارنا یا اللہ کے ساتھ ملا کر پکارنا مراد ہے یعنی پوجنا۔ لہٰذا ان آیتوں کی تفسیر سے تمام ممانعت کی آیتوں کا یہ مطلب ہوگا۔ اس تفسیر سے مطلب ایسا صاف ہوگیا کہ کسی قسم کا کوئی اعتراض پڑسکتا ہی نہیں۔ نیز فرماتا ہے:

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَo وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَo (پ ۲۶، الاحقاف: ۵۔۶)

اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو خدا کے سوا انہیں پکارے جو اس کی قیامت تک نہ سنے اور انہیں اسی کی پکار (پوجا) کی خبر تک نہیں اور جب لوگوں کا حشر ہوگا تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کے منکر ہوجائیں گے۔

اس آیت میں صاف طور پر پکارنے کو عبادت فرمایا کہ قیامت میں یہ بت ان مشرکوں کی عبادت یعنی اس پکار کے منکر ہوجائیں گے معلوم ہوا کہ پکارنے سے وہی پکارنا مراد ہے جو عبادت ہے، یعنی ''اِلٰہ'' سمجھ کر پکارنا۔ اس لئے عام مفسرین ممانعت کی آیات میں ''دعا'' کے معنی ''پوجا'' کرتے ہیں۔ جن وہابیوں نے ممانعت کی آیتوں میں دعا کے معنی پکار کئے اور پھر بات بنانے کے لئے اپنے گھر سے قیدیں لگائیں کہ پکارنے سے مراد ہے دور سے پکارنا، مافوق الاسباب پکار سننے کے عقیدے

سے پکارنا یا مردوں کو پکارنا بالکل غلط ہے۔اولاً تو اس لئے کہ یہ قیدیں قرآن نے کہیں نہیں لگائیں ۔دوسرے اس لئے کہ یہ تفسیر خود قرآنی تفسیر کے خلاف ہے۔تیسرے اس لئے کہ انبیاء کرام علیہم السلام صحابہ عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مردہ کو بھی پکارا ہے اور دور سے سینکڑوں میل سے پکارا ہے اور وہ پکار سنی گئی ہے جیسا کہ باب مسائل قرآنیہ میں بیان ہوگا۔لہٰذا یہ تفسیر باطل ہے۔

تفسیر قرآن بالقرآن کی اور مثال سمجھو کہ رب تعالیٰ نے جگہ جگہ خدا کے سوا کو ولی ماننے سے منع فرمایا بلکہ فرمایا کہ جوکوئی غیر خدا کو ولی بنائے وہ گمراہ ہے، کافر ہے، مشرک ہے۔فرماتا ہے:

مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ o (پ ۲۰،العنکبوت:۲۲)

تمہارا خدا کے سوا نہ کوئی ولی ہے اور نہ مددگار۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ج **اِتَّخَذَتْ بَيْتًا** ط **وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ** (پ ۲۰،العنکبوت:۴۱)

ان کی مثال جنہوں نے اللہ کے سوا اور ولی بنائے مکڑی کی سی ہے جس نے جالا بنا اور بے شک سب گھروں سے کمزور گھر مکڑی کا ہے۔

پھر فرماتا ہے:

اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ط **اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا** o (پ ۱۶،الکھف:۱۰۲)

تو کیا سمجھ رکھا ہے ان کافروں نے جنہوں نے میرے بندوں کو میرے سوا ولی بنایا ہم نے کافروں کیلئے آگ تیار کی ہوئی ہے۔

اس قسم کی بے شمار آیتیں ہیں ولی کے معنی دوست بھی ہیں اور مددگار بھی، مالک بھی وغیرہ۔ اگران آیات میں ولی کے معنی مددگار کیئے جائیں اور کہا جائے کہ جو خدا کے سوا کسی کو مددگار سمجھے وہ مشرک اور کافر ہے تونقل وعقل دونوں کے خلاف ہے نقل کے تو اس لئے کہ خود قرآن میں اللہ کے بندوں کے مددگار ہونے کا ذکر ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا ج وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ نَصِیْرًا O

خداوندا ہمارے لئے اپنی طرف سے کوئی ولی اور مددگار مقرر فرمادے۔

(پ ٥، النسآء: ٧٥)

فرماتا ہے:

فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلٰہُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ ج وَالْمَلٰٓئِکَۃُ بَعْدَ ذٰلِکَ ظَھِیْرٌ O (پ ٢٨، التحریم: ٤)

پس اپنے نبی کا مددگار اللہ اور جبریل اور نیک مسلمان اوراس کے بعد فرشتے مددگار ہیں۔

فرماتا ہے:

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رَاکِعُوْنَ O

(پ ٦، المائدۃ: ٥٥)

تمہارا ولی اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور وہ مومن بندے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور وہ رکوع کرتے ہیں۔

فرماتا ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ (پ ١٠، التوبۃ: ٧١)

مومن مرد اور مومن عورتیں ان کے بعض بعض کے ولی ہیں۔

اس قسم کی بہت آیات ملیں گی۔

عقل کے خلاف اس لئے ہے کہ دنیا و دین کا قیام ایک دوسرے کی مدد پر ہی ہے، اگر امداد باہمی بند ہو جائے تو نہ دنیا آباد رہے نہ دین۔ پھر ایسی ضروری چیز کو رب شرک کیسے فرما سکتا ہے۔ آؤ اب اس ممانعت کی تفسیر قرآن کریم سے پوچھیں، جب قرآن کریم کی تحقیق کی تو پتا لگا کہ کسی کو ولی ماننا چار طرح کا ہے جن میں سے تین قسم کا ولی ماننا تو کفر و شرک ہے اور چوتھی قسم کا ولی ماننا عین ایمان ہے۔

﴿ ۱ ﴾ رب تعالیٰ کو کمزور جان کر کسی اور کو مددگار ماننا یعنی رب ہماری مدد نہیں کر سکتا ہے لہٰذا فلاں مددگار ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ کَبِّرْہُ تَکْبِیْرًا۝ (پ ۱۵، بنیٓ اسرآءیل: ۱۱۱)

اور نہیں ہے اللہ کا کوئی ولی کمزوری کی بنا پر اور اس کی بڑائی بولو۔

﴿ ۲ ﴾ خدا کے مقابل کسی کو مددگار جاننا یعنی رب تعالیٰ عذاب دینا چاہے اور ولی بچالے۔ فرماتا ہے:

اُولٰٓئِکَ لَمْ یَکُوْنُوْا مُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ وَمَا کَانَ لَھُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ اَوْلِیَآءَ (پ ۱۲، ھود: ۲۰)

یہ کفار خدا کو عاجز نہیں کر سکتے زمین میں اور نہ کوئی خدا کے مقابل ان کا ولی مددگار ہے۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ فِیْ عَذَابٍ مُّقِیْمٍ۝ (پ ۲۵، الشورٰی: ۴۵)

خبردار! کفار ہمیشہ کے عذاب میں ہیں۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط(پ۲۵،الشوریٰ:۴۶)	اور ان کا کوئی ولی نہ ہوگا جو اللہ کے مقابل ان کی مدد کرے۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِىْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ط وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا o (پ۲۱،الاحزاب:۱۷)	فرمادو! کہ کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچائے اگر وہ تمہارا برا چاہے یا تم پر مہر فرمانا چاہے اور وہ اللہ کے مقابل کوئی ولی نہ پائیں گے اور نہ کوئی مددگار۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا o (پ۵،النسآء:۵۲)	اور جس پر خدا لعنت کردے اس کا مددگار کوئی نہیں۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ط (پ۲۵،الشوریٰ:۴۴)	جسے اللہ گمراہ کردے اس کے بعد اس کا کوئی ولی نہیں۔

ان آیات میں خدا کے مقابل ولی، مددگار کا انکار کیا گیا ہے ان کے علاوہ اور بہت سی ایسی ہی آیات ہیں جن میں ولی کے یہ معنی ہیں۔

﴿۳﴾ کسی کو مددگار سمجھ کر پوجنا یعنی ولی بمعنی معبود۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖۤ اَوْلِیَآءَ م مَانَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰیط (پ ۲۳، الزمر: ۳)	اور جنہوں نے رب کے سوا اور ولی بنائے کہتے ہیں ہم تو انہیں نہیں پوجتے مگر اس لئے کہ ہمیں وہ اللہ سے قریب کردیں۔
وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ (پ ۱۹، الفرقان: ۶۸)	اور وہ جو خدا کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے۔

اس آیت میں ولی بمعنی معبود ہے اس لئے اس کے ساتھ عبادت کا ذکر ہے۔ یہ تین طرح کا ولی ماننا کفر وشرک ہے اور ایسا ولی ماننے والا مشرک ومرتد ہے چوتھی قسم کا ولی وہ کہ کسی کو اللہ کا بندہ سمجھ کر اللہ کے حکم سے اسے مددگار مانا جائے اور اس کی مدد کو رب تعالیٰ کی مدد کا مظہر سمجھا جاوے یہ بالکل حق ہے جس کی آیات ابھی ابھی گزر چکیں۔

ان آیات نے تفسیر کردی کہ ممانعت کی آیات میں پہلی تین قسم کے ولی مراد ہیں اور ثبوت اولیاء کی آیات میں چوتھی قسم کے ولی مراد ہیں۔ سبحان اللہ! اس قرآنی تفسیر سے کوئی اعتراض باقی نہ رہا لیکن وہابی جب اس تفسیر سے آنکھیں بند کرلیتے ہیں تو اب ولی میں قید لگاتے ہیں کہ مافوق الاسباب کسی کو مددگار ماننا شرک ہے یہ تفسیر نہایت غلط ہے اولاً تو اس لئے کہ مافوق الاسباب کی قید ان کے گھر سے لگی ہے۔ قرآن میں نہیں ہے دوسرے اس لیے کہ یہ تفسیر قرآن کے خلاف ہے جو ہم نے عرض کی تیسرے یہ کہ اللہ کے بندے مافوق الاسباب مدد کرتے ہیں۔ جس کی آیات باب مسائل قرآنیہ میں عرض ہوں گی غرضیکہ یہ تفسیر باطل ہے اور قرآنی تفسیر بالکل صحیح ہے یہ تفسیر قرآن بالقرآن کی چند مثالیں عرض کیں۔

تفسیر قرآن بالحدیث کی بہت سی مثالیں ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارۡکَعُوۡا مَعَ الرّٰکِعِیۡنَ ۝ (پ ۱،البقرۃ:۴۳)

نماز قائم کرو زکوۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ (پ ۲،البقرۃ:۱۸۳)

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسے تم سے پہلے والوں پر فرض کئے گئے تھے۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الۡبَیۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَیۡہِ سَبِیۡلًا ؕ (پ ۴،اٰل عمرٰن:۹۷)

لوگوں پر اللہ کے لیے بیت اللہ کا حج ہے جو وہاں تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو

اس کے علاوہ تمام احکام کی آیتیں تفصیل اور تفسیر چاہتی ہیں مگر قرآن کریم نے ان کی نہ مکمل تفسیر فرمائی نہ تفصیل۔ نماز کے اوقات، رکعات کی تعداد، زکوۃ کے نصاب اور خود زکوۃ کی تعداد اور شرائط، روزے کے فرائض وممنوعات، حج کے شرائط وارکان تفصیلاً نہ بتائے، ان آیات میں ہم حدیث کے محتاج ہوئے اور تمام تفاصیل وہاں سے معلوم کیں غرضیکہ تفصیل طلب آیات میں بغیر تفسیر کے ترجمہ بے فائدہ بلکہ خطرناک ہے اور تفسیر محض اپنی رائے سے نہیں ہوسکتی ہم اپنی اس کتاب میں ترجمہ کرنے کے قواعد، بعض ضروری قرآنی مسائل اور قرآن کریم کی کچھ ضروری اصطلاحیں بیان کریں گے مگر ہر چیز کی تفسیر خود قرآن شریف سے پیش کریں گے اگر تائید میں کوئی

حدیث بھی پیش کی جاوے تو اسے بھی قرآن کی روشنی میں دیکھا جائے گا کیونکہ آج کل اس طرز استدلال کو مسلمان بہت پسند کرتے ہیں اور اس سے زیادہ مانوس ہیں ضرورت زمانہ کا لحاظ رکھتے ہوئے اس پر قلم اٹھایا گیا ہے۔

پہلا باب

اصطلاحات قرآنیہ

قرآن شریف میں بعض الفاظ کسی خاص معنی میں استعمال فرمائے گئے ہیں کہ اگر اس کے علاوہ ان کے دوسرے معنی کیے جائیں تو قرآن کا مقصد بدل جاتا ہے یا فوت ہو جاتا ہے ان اصطلاحوں کو بہت یاد رکھنا چاہیے تا کہ ترجمہ میں دھوکا نہ ہو۔

ایمان

ایمان امن سے بنا ہے جس کے لغوی معنی امن دینا ہے اصطلاح شریعت میں ایمان عقائد کا نام ہے جن کے اختیار کرنے سے انسان دائمی عذاب سے بچ جاوے جیسے توحید، رسالت، حشر ونشر، فرشتے، جنت، دوزخ اور تقدیر کو ماننا وغیرہ وغیرہ جس کا کچھ ذکر اس آیت میں ہے۔

كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَانُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ (پ۳، البقرۃ: ۲۸۵)

سب مومن اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور وہ کہتے ہیں کہ ہم خدا کے رسولوں میں فرق نہیں کرتے

لیکن اصطلاح قرآن میں ایمان کی اصل جس پر تمام عقیدوں کا دارومدار ہے یہ ہے کہ بندہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دل سے اپنا حاکم مطلق مانے۔ اپنے کو ان کا غلام تسلیم کرے کہ مومن کے جان، مال، اولاد سب حضور کی ملک ہیں اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سب مخلوق سے زیادہ ادب واحترام کرے۔ اگر اس کو مان لیا تو توحید اور کتب، فرشتے وغیرہ تمام ایمانیات کو مان لیا اور اگر اس کو نہ مانا تو اگرچہ توحید، فرشتے، حشر نشر، جنت ودوزخ سب کو مانے مگر قرآن کے فتوے سے وہ مومن نہیں بلکہ کافر ومشرک ہے۔ ابلیس پکا موحد، نمازی، ساجد تھا۔ فرشتے، قیامت، جنت ودوزخ سب کو مانتا تھا مگر رب تعالیٰ نے فرمایا: وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ O (البقرة: ٣٤) شیطان کافروں میں سے ہے۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ نبی کی عظمت کا قائل نہ تھا۔ غرض ایمان کا مدار قرآن کے نزدیک عظمت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ہے۔ ان آیات میں یہی اصطلاح استعمال ہوئی۔

﴿۱﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (پ ٥، النساء: ٦٥)

اے محبوب! تمہارے رب کی قسم! یہ سارے توحید والے اور دیگر لوگ اس وقت تک مومن نہ ہونگے جب تک کہ تم کو اپنا حاکم نہ مانیں اپنے سارے اختلاف وجھگڑوں میں پھر تمہارے فیصلے سے دلوں میں تنگی محسوس نہ کریں اور رضا وتسلیم اختیار کریں۔

پتا چلا کہ صرف توحید کا ماننا ایمان نہیں اور تمام چیزوں کا ماننا ایمان نہیں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو حاکم ماننا ایمان ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۲﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَاهُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ O (پ ۱، البقرۃ:۸)

لوگوں میں بعض وہ (منافق) بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور قیامت پر ایمان لائے مگر وہ مومن نہیں۔

دیکھو اکثر منافق یہودی تھے جو خدا کی ذات وصفات اور قیامت وغیرہ کو مانتے تھے مگر انہیں رب نے کافر فرمایا کیونکہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں مانتے تھے اس لیے انہوں نے اللہ کا اور قیامت کا نام تو لیا مگر حضور مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نام نہ لیا رب نے انہیں مومن نہیں مانا۔ فرماتا ہے:

﴿۳﴾ اِذَا جَآءَکَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ م وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُهٗ ط وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَکٰذِبُوْنَ O (پ ۲۸، المنٰفقون:۱)

جب آپ کے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ بھی جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں۔

پتا چلا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فقط زبانی طور پر معمولی طریقہ سے مان لینے کا دعویٰ کر دینا مومن ہونے کیلئے کافی نہیں، انہیں دل سے ماننے کا نام ایمان ہے۔ سبحان اللہ! قول سچا مگر قائل جھوٹا کیونکہ یہاں دل کی گہرائیوں سے دیکھا جاتا ہے۔

ما بروں را ننگریم و قال را ما دروں را بنگریم و حال را

﴿۴﴾ وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّکُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ط (پ ۲۲، الاحزاب:۳۶)

اور نہ کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو حق ہے کہ جب اللہ اور رسول کچھ حکم فرمادیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے۔

اس آیت نے بتایا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے سامنے مومن کو اپنی جان کے معاملات کا بھی اختیار نہیں، یہ آیت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کے بارے میں نازل ہوئی کہ وہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ نکاح کرنے کو تیار نہ تھیں۔(التفسیر الکبیر،الجزء الخامس و العشرون،سورۃالاحزاب،تحت الآیۃ۳۶، ج۹،ص۱۶۹،دار احیاء التراث العربی بیروت) مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے نکاح ہوگیا۔ ہر مومن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا غلام اور ہر مومنہ ان سرکار کی لونڈی ہے۔ یہ ہے حقیقت ایمان۔

﴿۵﴾ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ط (پ۲۱،الاحزاب:۶)

نبی مومنوں کے ان کی جان سے بھی زیادہ مالک ہیں اور نبی کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں۔

جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہماری جان سے بھی زیادہ ہمارے مالک ہوئے تو ہماری اولاد مال کے بدرجہ اولی مالک ہیں۔

﴿۶﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۝ (پ۲۶،الحجرات:۲)

اے ایمان والو! اپنی آوازیں ان نبی کی آواز پر اونچی نہ کرو نہ ان کی بارگاہ میں ایسے چیخ کر بولو جیسے بعض بعض کیلئے خطرہ ہے کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

پتا چلا کہ ان کی تھوڑی سی بے ادبی کرنے سے نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں اور اعمال کی بربادی کفر و ارتداد سے ہوتی ہے معلوم ہوا کہ ان کی ادنیٰ گستاخی کفر ہے۔

﴿۷﴾ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰیٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ o لَاتَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ ط

فرمادو کہ کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنستے ہو بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے مسلمان ہو کر۔

(پ ۱۰، التوبۃ ۶۵۔۶۶)

جن منافقین کا اس آیت میں ذکر ہے انہوں نے ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے علم غیب کا مذاق اڑایا تھا کہ بھلا حضور کب روم پر غالب آسکتے ہیں اس گستاخی کو رب کی آیتوں کی گستاخی قرار دے کر ان کے کفر کا فتوی صادر فرمایا کس نے؟ کسی مولوی نے؟ نہیں! بلکہ خود اللہ جل شانہ نے۔

﴿۸﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ط وَلِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ o

اے ایمان والو! میرے پیغمبر سے راعنا نہ کہا کرو انظرنا کہا کرو خوب سن لو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

(پ ۱، البقرۃ: ۱۰۴)

اس سے پتا لگا کہ جو کوئی توہین کے لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ایسا لفظ بولے جس میں گستاخی کا شائبہ بھی نکلتا ہو وہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔ (جیسے راعنا)

خلاصہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو قرآن میں ہر جگہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کہہ کر پکارا، موحد یا نمازی یا مولوی یا فاضل دیوبند کہہ کر نہ پکارا تاکہ پتا لگے کہ رب تعالیٰ کی تمام نعمتیں ایمان سے ملتی ہیں اور ایمان کی حقیقت وہ ہے جو ان آیتوں میں بیان ہوئی یعنی غلامی سرکار مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ توحید نوٹ کا کاغذ ہے اور

نبوت اس کی مہر جیسے نوٹ کی قیمت سرکاری مہر سے ہے اس کے بغیر وہ قیمتی نہیں اسی طرح ایمان کے نوٹ کی قیمت بازار قیامت میں جب ہی ہوگی جب اس پر حضور کے نام کی مہر لگی ہو۔ ان سے منہ موڑ کر توحید کی کوئی قیمت نہیں اسی لئے کلمہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام ہے اور قبر میں توحید کا اقرار کرانے کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پہچان ہے۔ خیال رہے کہ حدیث وقرآن میں بھی مسلمانوں کو موحد نہ کہا گیا بلکہ مومن ہی سے خطاب فرمایا۔

اسلام

اسلام سلم سے بنا جن کے معنی ہیں صلح، جنگ کا مقابل۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِنۡ جَنَحُوۡا لِلسَّلۡمِ فَاجۡنَحۡ لَهَا اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس طرف جھک جاؤ۔ (پ ۱۰، الانفال: ۶۱)

لہٰذا اسلام کے معنی ہوئے صلح کرنا۔ مگر عرف میں اسلام کے معنی اطاعت وفرمانبرداری ہے، قرآن شریف میں یہ لفظ کبھی تو ایمان کے معنی میں آتا ہے اور کبھی اطاعت وفرمانبرداری کرنے کے لئے، ان آیات میں اسلام بمعنی ایمان ہے۔

﴿۱﴾ **اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰهِ الۡاِسۡلَامُ** قف پسندیدہ دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے (پ ۳، ال عمران: ۱۹)

﴿۲﴾ **هُوَ سَمّٰكُمُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ** اس رب نے تمہارا نام مسلم رکھا (پ ۱۷، الحج: ۷۸)

﴿۳﴾ **مَا كَانَ اِبۡرٰهِیۡمُ یَهُوۡدِیًّا وَّلَا نَصۡرَانِیًّا وَّلٰكِنۡ كَانَ حَنِیۡفًا مُّسۡلِمًا** ط ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے نہ عیسائی لیکن وہ حنیف ایمان والے تھے۔ (پ ۳، ال عمران: ۶۷)

﴿۴﴾ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَکُمْ ج بَلِ اللّٰہُ یَمُنُّ عَلَیْکُمْ اَنْ ھَدٰکُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ o (پ۲۶،الحجرات:۱۷)

فرمادو کہ تم مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ جتاؤ بلکہ اللہ تم پر احسان فرماتا ہے کہ تمہیں ایمان کی ہدایت دی اگر تم سچے ہو۔

﴿۵﴾ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَo (پ۱۳،یوسف:۱۰۱)

مجھے مومن اٹھا اور صالحوں سے ملا۔

﴿۶﴾ وَاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقَاسِطُوْنَ ط فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِکَ تَحَرَّوْا رَشَدًاo (پ۲۹،الجن:۱۴)

اور ہم میں سے کچھ مسلمان ہیں اور کچھ ظالم جو اسلام لائے انہوں نے بھلائی تلاش کر لی۔

ان آیات اور ان جیسی دوسری آیات میں اسلام ایمان کے معنی میں ہے۔ لہٰذا جیسے ایمان کا دارو مدار امت کے لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سچی غلامی پر ہے ایسے ہی اسلام کا مدار بھی اس سرکار کی غلامی پر ہے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت کا منکر نہ مومن ہے نہ مسلمان جیسے شیطان نہ مومن ہے نہ مسلم بلکہ کافر و مشرک ہے۔

بعض آیات میں اسلام بمعنی اطاعت آیا ہے جیسے

﴿۱﴾ لَہٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (پ۳،ال عمرٰن:۸۳)

اس اللہ کے فرمانبردار ہیں تمام آسمانوں اور زمینوں کے لوگ۔

کُلٌّ لَّہٗ قَانِتُوْنَ (پ۲۱،الروم:۲۶) ہر ایک اس کا مطیع ہے یعنی تکوینی احکام میں۔

یہاں "قانتین" نے "اسلم" کی تفسیر کر دی کیونکہ ساری چیزیں رب تعالیٰ کی تکوینی امور میں مطیع تو ہیں مگر سب مومن نہیں بعض کافر بھی ہیں۔ فَمِنْکُمْ کَافِرٌ

وَّمِنۡکُمۡ مُّؤۡمِنٌ ؕ (پ۲۸،التغابن:۲)

﴿۲﴾ قُلۡ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا وَلٰـکِنۡ قُوۡلُوۡۤا اَسۡلَمۡنَا وَلَمَّا یَدۡخُلِ الۡاِیۡمَانُ فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ ؕ (پ۲٦،الحجرات:۱٤)

اے منافقو! یہ نہ کہو کہ تم ایمان لے آئے بلکہ یوں کہو کہ ہم نے اطاعت قبول کرلی اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

منافق مسلم بمعنی مطیع تو تھے مومن نہ تھے۔

﴿۳﴾ فَلَمَّاۤ اَسۡلَمَا وَتَلَّہٗ لِلۡجَبِیۡنِ ۚ﴿۱۰۳﴾ وَنَادَیۡنٰہُ اَنۡ یّٰۤاِبۡرٰہِیۡمُ ۙ﴿۱۰٤﴾ (پ۲۳،الصّٰفّٰت:۱۰۳،۱۰٤)

توجب دونوں ابراہیم واسماعیل نے ہمارے حکم پر گردن رکھی اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹادیا (ذبح کیلئے) اور ہم نے ندا کی اے ابراہیم

﴿٤﴾ اِذۡ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗۤ اَسۡلِمۡ ۙ قَالَ اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۳۱﴾ (پ۱،البقرۃ:۱۳۱)

جب فرمایا ابراہیم سے ان کے رب نے مطیع ہوجاؤ عرض کیا کہ میں اللہ رب العالمین کا فرمانبردار ہوا۔

ان دونوں آخری آیات میں اسلام کے معنی ایمان نہیں بن سکتے کیونکہ انبیاء پیدائشی مومن ہوتے ہیں ان کے ایمان لانے کے کیا معنی؟

ان آیات میں اسلام بمعنی اطاعت ہے۔ پہلی آیت میں تکوینی امور کی اطاعت مراد ہے جیسے بیماری، تندرستی، موت، زندگی وغیرہ۔ آخری دوسری دو آیات میں تشریعی احکام کی اطاعت مراد ہے لہٰذا منافق مومن نہ تھے مسلم تھے یعنی مجبوراً اسلامی قوانین کے مطیع ہوگئے تھے۔

تقوٰی

قرآن کریم میں یہ لفظ بہت استعمال ہوا ہے بلکہ ایمان کے ساتھ تقوٰی کا اکثر حکم آتا ہے۔ تقوٰی کے معنی ڈرنا بھی ہیں اور بچنا بھی اگر اس کا تعلق اللہ تعالیٰ یا قیامت کے دن سے ہو تو اس سے ڈرنا مراد ہوتا ہے کیونکہ رب سے اور قیامت سے کوئی نہیں بچ سکتا جیسے

﴿۱﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ (پ۳، البقرۃ:۲۷۸) — اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو!

﴿۲﴾ وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْـًٔا (پ۱، البقرۃ:۴۸) — اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی نفس کسی نفس کی طرف سے نہ بدلا دے گا۔

اور اگر تقوٰی کے ساتھ آگ یا گناہ کا ذکر ہو تو وہاں تقوٰی سے بچنا مراد ہوگا جیسے

﴿۳﴾ فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ج (پ۱، البقرۃ:۲۴) — اور اس آگ سے بچو جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں۔

اگر تقوٰی کے بعد کسی چیز کا ذکر نہ ہو نہ رب تعالیٰ کا نہ دوزخ کا تو وہاں دونوں معنی یعنی ڈرنا اور بچنا درست ہیں جیسے

﴿۴﴾ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ (پ۱، البقرۃ:۲-۳) — ہدایت ہے ان پرہیزگاروں کے لئے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔

﴿۵﴾ فَاصْبِرْ ط اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝ (پ۱۲، ھود:۴۹) — پس صبر کرو بیشک انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

قرآن کی اصطلاح میں تقوی کی دو قسمیں ہیں تقویٰ بدن اور تقویٰ دل

تقویٰ بدن کا مدار اطاعت خدا اور رسول پر ہے۔فرماتا ہے:

﴿۱﴾ فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَاهُمْ یَحْزَنُوْنَ۝ (پ۸،الاعراف:۳۵)

تو جس نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی ان پر نہ خوف ہے نہ وہ غمگین ہوں گے۔

﴿۲﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ۝ (پ۱۱،یونس:۶۳)

ولی اللہ وہ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیز گاری کرتے تھے۔

﴿۳﴾ اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَانًا (پ۹،الانفال:۲۹)

اگر اللہ کی اطاعت کرو گے تو تمہارے لئے فرق بتادے گا۔

دلی تقوی کا دارومدار اس پر ہے کہ اللہ کے پیاروں بلکہ جس چیز کو ان سے نسبت ہوجاوے اس کی تعظیم وادب دل سے کرے۔تبرکات کا بے ادب دلی پرہیز گار نہیں ہوسکتا۔فرماتا ہے:

﴿۱﴾ وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ۝ (پ۱۷،الحج:۳۲)

جو کوئی اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو یہ دل کی پرہیز گاری سے ہے۔

﴿۲﴾ وَمَنْ یُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ط (پ۱۷،الحج:۳۰)

اور جو کوئی اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کرے تو اس کیلئے اس کے رب کے ہاں بہتری ہے۔

یہ بھی قرآن کریم ہی سے پوچھو کہ شعائر اللہ یعنی اللہ کی نشانیاں کیا چیز ہیں۔فرماتا ہے:

﴿۳﴾ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ج فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ط (پ ۲،البقرة:۱۵۸)

صفا اور مروہ پہاڑ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں تو جو کوئی بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ اس پر گناہ نہیں کہ ان پہاڑوں کا طواف کرے۔

صفا اور مروہ وہ پہاڑ ہیں جن پر حضرت ہاجرہ پانی کی تلاش میں سات بار چڑھیں اور اتریں۔ اس اللہ والی کے قدم پڑ جانے کی برکت سے یہ دونوں پہاڑ شعائر اللہ بن گئے اور تا قیامت حاجیوں پر اس پاک بی بی کی نقل اتارنے میں ان پر چڑھنا اور اترنا سات بار لازم ہو گیا۔ بزرگوں کے قدم لگ جانے سے وہ چیز شعائر اللہ بن جاتی ہے۔ فرماتا ہے:

﴿۴﴾ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ط (پ ۱،البقرة:۱۲۵)

تم لوگ مقام ابراہیم کو جاء نماز بناؤ۔

مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ معظّمہ کی تعمیر کی وہ بھی حضرت خلیل علیہ السلام کی برکت سے شعائر اللہ بن گیا اور اس کی تعظیم ایسی لازم ہو گئی کہ طواف کے نفل اس کے سامنے کھڑے ہو کر پڑھنا سنت ہو گئے کہ سجدہ میں سر اس پتھر کے سامنے جھکے۔

جب بزرگوں کے قدم پڑ جانے سے صفا مروہ اور مقام ابراہیم شعائر اللہ بن گئے اور قابل تعظیم ہو گئے تو قبور انبیاء و اولیاء جس میں یہ حضرات دائمی قیام فرما ہیں یقیناً شعائر اللہ ہیں اور ان کی تعظیم لازم ہے۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۵﴾ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَیْھِمْ بُنْیَانًا ط رَبُّھُمْ اَعْلَمُ بِھِمْ ط قَالَ الَّذِیْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓی اَمْرِھِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَیْھِمْ مَّسْجِدًا ○ (پ ۱۵، الکھف: ۲۱)

پس لوگ بولے کہ ان اصحاب کہف پر کوئی عمارت بناؤ ان کا رب انہیں خوب جانتا ہے اور وہ بولے جواس کام میں غالب رہے کہ ہم توضرور ان پر مسجد بنائیں گے۔

اصحاب کہف کے غار پر جوان کا آرام گاہ ہے گذشتہ مسلمانوں نے مسجد بنائی اور رب نے ان کے کام پر ناراضگی کا اظہار نہ کیا پتا لگا کہ وہ جگہ شعائر اللہ بن گئی جس کی تعظیم ضروری ہوگئی۔

﴿۶﴾ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰھَا لَکُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ لَکُمْ فِیْھَا خَیْرٌ (پ ۱۷، الحج: ۳۶)

اور قربانی کے جانور (ہدی) ہم نے تمہارے لئے اللہ کی نشانیوں میں سے بنائے تمہارے لئے ان میں خیر ہے۔

جو جانور قربانی کے لئے یا کعبہ معظّمہ کیلئے نامزد ہوجائے وہ شعائر اللہ ہے اس کا احترام چاہیے جیسے قرآن کا جزدان اور کعبہ کا غلاف اور زمزم کا پانی اور مکہ شریف کی زمین۔ کیوں؟ اس لئے کہ ان کو رب یا رب کے پیاروں سے نسبت ہے ان سب کی تعظیم ضروری ہے۔ فرماتا ہے:

﴿۷﴾ لَآ اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ ○ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِھٰذَا الْبَلَدِ ○ (پ ۳۰، البلد: ۱۔۲)

میں اس شہر مکہ معظّمہ کی قسم فرماتا ہوں حالانکہ اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو۔

﴿۸﴾ وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ ○ وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ ○ وَھٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ ○ (پ ۳۰، التین: ۱۔۳)

قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی اور طور سینا پہاڑ کی اور اس امانت والے شہر مکہ شریف کی۔

﴿۹﴾ وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ (پ ۱، البقرۃ:۵۸)

اور بیت المقدس کے دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے گھسو اور کہو معافی دے، ہم بخش دیں گے۔

طور سینا پہاڑ اور مکہ معظّمہ اس لئے عظمت والے بن گئے کہ طور کو کلیم اللہ سے اور مکہ معظّمہ کو حبیب اللہ علیہما السلام سے نسبت ہوگئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے پیاروں کی چیزیں شعائر اللہ ہیں جیسے قرآن شریف، خانہ کعبہ، صفا مروہ پہاڑ، مکہ معظّمہ، بیت المقدس، طور سینا، مقابر اولیاء اللہ وانبیاء کرام، آب زمزم وغیرہ اور شعائر اللہ کی تعظیم وتوقیر قرآنی فتوے سے دلی تقویٰ ہے جو کوئی نمازی روزہ دار تو ہو مگر اس کے دل میں تبرکات کی تعظیم نہ ہو وہ دلی پرہیزگار نہیں۔

ان آیات قرآنیہ سے معلوم ہوا کہ جہاں کہیں قرآن کریم میں تقویٰ کا ذکر ہے وہاں یہ تقویٰ دلی یعنی متبرک چیزوں کی تعظیم ضرور مراد ہے۔ یہ آیات کریمہ تقویٰ کی تمام آیات کی تفسیر ہیں۔ جہاں تقوی کا ذکر ہو وہاں یہ قید ضروری ہے۔

رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ط لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ (پ ۲۶، الحجرات:۳)

بے شک جو لوگ اپنی آوازیں رسول اللہ کے نزدیک پست کرتے ہیں یہ وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لئے پرکھ لیا ہے ان کیلئے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔

معلوم ہوا کہ مجلس میں حضور مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا احترام تقویٰ ہے۔ کیونکہ یہ بھی شعائر اللہ ہے اور شعائر اللہ کی حرمت دلی تقویٰ ہے۔ ایمان جڑ ہے اور

تقویٰ اس کی شاخیں، پھل وہی کھا سکتا ہے جوان دونوں کی حفاظت کرے۔اسی طرح بخشش کے پھل اسی کو نصیب ہوں گے جو ایمان اور تقویٰ دونوں کا حامل ہو۔

کفر

کفر کے معنی چھپانا اور مٹانا ہے اسی لئے جرم کی شرعی سزا کو کفارہ کہتے ہیں کہ وہ گناہ کو مٹا دیتا ہے ایک دوا کا نام کافور ہے کہ وہ اپنی تیز خوشبو سے دوسری خوشبوؤں کو چھپا لیتا ہے۔رب تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا کَبٰٓئِرَ مَا تُنۡہَوۡنَ عَنۡہُ نُکَفِّرۡ عَنۡکُمۡ سَیِّاٰتِکُمۡ وَ نُدۡخِلۡکُمۡ مُّدۡخَلًا کَرِیۡمًاO(پ ۵،النسآء: ۳۱)
اگر تم بڑے گناہوں سے بچو گے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ مٹا دیں گے اور تم کو اچھی جگہ میں داخل کریں گے

قرآن شریف میں یہ لفظ چند معنوں میں استعمال ہوا ہے ناشکری، انکار، اسلام سے نکل جانا۔رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ لَئِنۡ شَکَرۡتُمۡ لَاَزِیۡدَنَّکُمۡ وَ لَئِنۡ کَفَرۡتُمۡ اِنَّ عَذَابِیۡ لَشَدِیۡدٌO (پ ۱۳،ابرٰھیم: ۷)
اگر تم شکر کرو گے تو تم کو اور زیادہ دیں گے اور اگر تم ناشکری کرو گے تو ہمارا عذاب سخت ہے

﴿۲﴾ وَ اشۡکُرُوۡا لِیۡ وَ لَا تَکۡفُرُوۡنِO (پ ۲،البقرۃ: ۱۵۲)
میرا شکر کرو ناشکری نہ کرو

﴿۳﴾ وَ فَعَلۡتَ فَعۡلَتَکَ الَّتِیۡ فَعَلۡتَ وَ اَنۡتَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَO (پ ۱۹،الشعرآء: ۱۹)
فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ تم نے اپنا وہ کام کیا جو کیا اور تم ناشکرے تھے

ان آیات میں کفر بمعنی ناشکری ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى (پ۳،البقرة:۲۵۶)
پس جو کوئی شیطان کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے اس نے مضبوط گرہ پکڑ لی۔

﴿۲﴾ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا (پ۲۰،عنکبوت:۲۵)
اس دن تمہارے بعض بعض کا انکار کریں گے اور بعض بعض پر لعنت کریں گے۔

﴿۳﴾ وَكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝ (پ۲۶،الاحقاف:۶)
یہ معبودان باطلہ ان کی عبادت کے انکاری ہوجاویں گے۔

ان تمام آیات میں کفر بمعنی انکار ہے نہ کہ اسلام سے پھر جانا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ (پ۳۰الکفرون:۱۔۲)
فرمادو کافرو میں تمہارے معبودوں کو نہیں پوجتا۔

﴿۲﴾ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ ط (پ۳،البقرة:۲۵۸)
پس وہ کافر (نمرود) حیران رہ گیا۔

﴿۳﴾ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (پ۳،البقرة:۲۵۴)
اور کافر لوگ ظالم ہیں۔

﴿۴﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ (پ۶،المآئدة:۱۷)
وہ لوگ کافر ہوگئے جنہوں نے کہا، اللہ عیسیٰ ابن مریم ہیں۔

﴿۵﴾ لَاتَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ط(پ ۱۰،التوبة:۶۶) بہانے نہ بناؤ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے

﴿۶﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ط (پ ۳،البقرة:۲۵۳) ان میں سے بعض ایمان لے آئے بعض کافر رہے۔

ان جیسی اور بہت سی آیات میں کفر ایمان کا مقابل ہے جس کے معنی ہیں بے ایمان ہو جانا، اسلام سے نکل جانا۔ اس کفر میں ایمان کے مقابل تمام چیزیں معتبر ہوں گی یعنی جن چیزوں کا ماننا ایمان تھا ان میں سے کسی کا بھی انکار کرنا کفر ہے۔ لہٰذا کفر کی صدہا قسمیں ہوں گی۔ خدا کا انکار کفر، اس کی توحید کا انکار یعنی شرک یہ بھی کفر، اسی طرح فرشتے، دوزخ و جنت، حشر نشر، نماز، روزہ، قرآن کی آیتیں، غرضیکہ ضروریات دین میں سے کسی ایک کا انکار کفر ہے۔ اسی لئے قرآن شریف میں مختلف قسم کے کافروں کی تردید فرمائی گئی ہے جیسا کہ ان شاءاللہ تعالیٰ شرک کی بحث میں آوے گا۔

حقیقتِ کفر

جیسے کہ صدہا چیزوں کے ماننے کا نام ایمان تھا لیکن ان سب کا مدار صرف ایک چیز پر تھا یعنی پیغمبر کو ماننا کہ جس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کما حقہ مان لیا۔ اس نے سب کچھ مان لیا۔ اسی طرح کفر کا مدار صرف ایک چیز پر ہے یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا انکار، ان کی عظمت کا انکار، ان کی شان اعلیٰ کا انکار، اصل کفر تو یہ ہے باقی تمام اس کی شاخیں ہیں مثلاً جو رب کی ذات یا صفات کا انکار کرتا ہے وہ بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا منکر ہے کہ حضور نے فرمایا: اللہ ایک ہے۔ یہ کہتا ہے کہ دو ہیں۔ اسی طرح نماز، روزہ وغیرہ کسی ایک کا انکار درحقیقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا

انکار ہے کہ وہ سرکار فرماتے ہیں کہ یہ چیزیں فرض ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ نہیں۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ادنی توہین، ان کی کسی شے کی توہین، قرآنی فتوے سے کفر ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ لا وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا o اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا ج (پ۶، النسآء: ۱۵۰۔۱۵۱)

اور وہ کفار کہتے ہیں کہ ہم پیغمبروں پر ایمان لائینگے اور بعض کا انکار کریں گے اور چاہتے ہیں کہ ایمان وکفر کے بیچ میں کوئی راہ نکالیں یہی لوگ یقیناً کافر ہیں

﴿۲﴾ وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ o (پ۱، البقرۃ: ۱۰۴)

کافروں ہی کے لئے دردناک عذاب ہے۔

﴿۳﴾ وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰہِ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ o (پ۱۰، التوبۃ: ۶۱)

اور جو لوگ رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان ہی کے لئے دردناک عذاب ہے۔

یعنی صرف کافر کو دردناک عذاب ہے اور صرف اسے دردناک عذاب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا دے۔ لہٰذا پتا لگا کہ صرف وہ ہی کافر ہے جو رسول کو ایذا دے اور جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت واحترام، خدمت، اطاعت کرے وہ سچا مومن ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ط لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ o (پ۱۰، الانفال: ۷۴)

اور جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو جگہ دی اور ان کی مدد کی وہ سچے مسلمان ہیں ان کیلئے بخشش ہے اور عزت کی روزی۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَمْ یَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ یُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِیْهَاؕ ذٰلِكَ الْخِزْیُ الْعَظِیْمُ۝ (پ ۱۰،التوبۃ:۶۳)

کیا انہیں خبر نہیں کہ جو مخالفت کرے اللہ اور اس کے رسول کی تو اس کے لئے جہنم کی آگ ہے ہمیشہ اس میں رہے گا۔ یہ بڑی رسوائی ہے۔

بلکہ جس اچھے کام میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا لحاظ نہ ہو بلکہ ان کی مخالفت ہو وہ کفر بن جاتا ہے اور جس برے کام میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ہو وہ ایمان بن جاتا ہے مسجد بنانا اچھا کام ہے لیکن منافقین نے جب مسجد ضرار حضور کی مخالفت کرنے کی نیت سے بنائی تو قرآن نے اسے کفر قرار دیا ہے۔ فرماتا ہے:

وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِیْقًۢا بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُؕ (پ ۱۱،التوبۃ:۱۰۷)

اور وہ لوگ جنہوں نے مسجد بنائی نقصان پہنچانے اور کفر کیلئے اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کو اور اس کے انتظار میں جو پہلے سے اللہ اور رسول کا مخالف ہے۔

نماز توڑنا گناہ ہے لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بلانے پر نماز توڑنا گناہ نہیں ہے بلکہ عبادت ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْۚ (پ ۹،الانفال:۲۴)

اے ایمان والو اللہ رسول کا بلاوا قبول کرو جب وہ تمہیں بلائیں اس لئے کہ وہ تمہیں زندگی بخشتے ہیں۔

اسی لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آواز پر اونچی آواز کرنے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ادنیٰ گستاخی کرنے کو قرآن نے کفر قرار دیا جس کی آیات ایمان کی بحث میں گزر چکیں۔ شیطان کے پاس عبادات کافی تھیں مگر جب اس نے آدم علیہ السلام کے متعلق کہا کہ

اَنَاخَیۡرٌ مِّنۡہُ ؕ خَلَقۡتَنِیۡ مِنۡ نَّارٍ وَّ خَلَقۡتَہٗ مِنۡ طِیۡنٍ ○ قَالَ فَاخۡرُجۡ مِنۡہَا فَاِنَّکَ رَجِیۡمٌ ○ (پ ۲۳، ص: ۷٦۔۷۷)

میں ان سے اچھا ہوں کہ تو نے مجھے آگ سے اور انہیں مٹی سے پیدا کیا رب نے فرمایا یہاں سے نکل جا تو مردود ہو گیا۔

تو فوراً کافر ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام کے جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام کا ادب کیا کہ جادو کرنے سے پہلے عرض کیا

قَالُوۡا یٰمُوۡسٰۤی اِمَّاۤ اَنۡ تُلۡقِیَ وَ اِمَّاۤ اَنۡ نَّکُوۡنَ نَحۡنُ الۡمُلۡقِیۡنَ ○

عرض کیا کہ اے موسیٰ یا پہلے آپ ڈالیں یا ہم ڈالنے والے ہوں۔

(پ ۹، الاعراف: ۱۱۵)

اس اجازت لینے کے ادب کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں ایک دن میں ایمان، کلیم اللہ کی صحابیت، تقویٰ، صبر، شہادت نصیب ہوئی۔ رب نے فرمایا:

فَاُلۡقِیَ السَّحَرَۃُ سٰجِدِیۡنَ ○

جادوگر سجدے میں گرا دیئے گئے۔

(پ ۱۹، الشعرآء: ٤٦)

یعنی خود سجدے میں نہیں گرے بلکہ رب کی طرف سے ڈال دیئے گئے۔ کافر کے دل میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ادب آ جائے تو ان شاء اللہ مومن ہو جائے گا۔ اگر مومن کو بے ادبی کی بیماری ہو جائے تو اس کے ایمان چھوٹ جانے کا خطرہ ہے۔

یوسف علیہ السلام کے بھائی قصور مند تھے مگر بے ادب نہ تھے آخر بخش دیئے گئے۔ قابیل یعنی آدم علیہ السلام کا بیٹا جرم کے ساتھ نبی کا گستاخ بھی تھا لہٰذا خاتمہ خراب ہوا۔

شرک

شرک کے لغوی معنی ہیں حصہ یا ساجھا۔ لہٰذا شریک کے معنی ہیں حصہ دار یا ساجھی۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ ج (پ ۲۲، فاطر: ۴۰)
کیا ان بتوں کا ان آسمانوں میں حصہ ہے۔

﴿۲﴾ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِیْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِیْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِیْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ط (پ ۲۱، الروم: ۲۸)
کیا تمہارے مملوک غلاموں میں سے کوئی شریک ہے اس میں جو ہم نے تمہیں دیا ہے کہ تم اس میں برابر ہو ان غلاموں سے تم ایسا ڈرو جیسا اپنے نفسوں سے ڈرتے ہو

﴿۳﴾ رَجُلًا فِیْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ط هَلْ یَسْتَوِیٰنِ (پ ۲۳، زمر: ۲۹)
ایک وہ غلام جس میں برابر کے چند شریک ہوں اور ایک وہ غلام جو ایک ہی آدمی کا ہو۔ کیا یہ دونوں برابر ہیں

ان آیتوں میں شرک اور شریک لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی حصہ، ساجھا اور حصہ دار و ساجھی۔ لہٰذا شرک کے لغوی معنی ہیں کسی کو خدا کے برابر جاننا۔ قرآن کریم میں یہ لفظ ان دونوں معنی میں استعمال ہوا ہے۔ شرک بمعنی کفران آیات میں آیا:

﴿۱﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ج (پ۵،النسآء:۴۸)	اللہ تعالیٰ اس جرم کو نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اس کے سوا جس کو چاہے بخش دے گا۔
﴿۲﴾ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَتّٰى یُؤْمِنُوْا ط (پ۲،البقرة:۲۲۱)	نکاح نہ کرو مشرکوں سے یہاں تک کہ ایمان لے آویں۔
﴿۳﴾ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَیْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ (پ۲،البقرة:۲۲۱)	مومن غلام مشرک سے اچھا ہے۔
﴿۴﴾ مَاكَانَ لِلْمُشْرِكِیْنَ اَنْ یَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِیْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ط (پ۱۰،التوبة:۱۷)	مشرکوں کو یہ حق نہیں کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں اپنے پر کفر کی گواہی دیتے ہوئے۔

ان آیات میں شرک سے مراد ہر کفر ہے کیونکہ کوئی بھی کفر بخشش کے لائق نہیں اور کسی کافر مرد سے مومنہ عورت کا نکاح جائز نہیں اور ہر مومن ہر کافر سے بہتر ہے خواہ مشرک ہو جیسے ہندو یا کوئی اور جیسے یہودی، پارسی، مجوسی۔

دوسرے معنی کا شرک یعنی کسی کو خدا کے برابر جاننا کفر سے خاص ہے کفر اس سے عام یعنی ہر شرک کفر ہے مگر ہر کفر شرک نہیں۔ جیسے ہر کوا کالا ہے مگر ہر کالا کوا نہیں۔ ہر سونا پیلا ہے مگر ہر پیلا سونا نہیں۔ لہٰذا دہریہ کافر ہے مشرک نہیں اور ہندو مشرک بھی ہے کافر بھی۔ قرآن شریف میں شرک اکثر اسی معنی میں استعمال ہوا ہے جیسے

﴿۱﴾ جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِیْمَاۤ اٰتٰهُمَا (پ۹،الاعراف:۱۹۰)	ان دونوں نے خدا کے برابر کر دیا اس نعمت میں جو رب تعالیٰ نے انہیں دی۔

﴿۲﴾ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ○ (پ۷،الانعام:۷۹)
میں تمام برے دینوں سے بیزار ہوں اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

﴿۳﴾ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ○ (پ۲۱،لقمٰن:۱۳)
بے شک شرک بڑا ظلم ہے۔

﴿۴﴾ وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُھُمْ بِاللّٰہِ اِلَّا وَھُمْ مُّشْرِکُوْنَ ○ (پ۱۳،یوسف:۱۰۶)
ان میں سے بہت سے لوگ اللہ پر ایمان نہیں لائے مگر وہ مشرک ہوتے ہیں۔

ان جیسی صدہا آیتوں میں شرک اس معنی میں استعمال ہوا ہے بمعنی کسی کو خدا کے مساوی جاننا۔

شرک کی حقیقت

شرک کی حقیقت رب تعالیٰ سے مساوات پر ہے یعنی جب تک کسی کو رب کے برابر نہ جانا جائے تب تک شرک نہ ہوگا اسی لئے قیامت میں کفار اپنے بتوں سے کہیں گے۔

تَاللّٰہِ اِنْ کُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ○ (پ۱۹،الشعرآء:۹۷)
خدا کی قسم ہم کھلی گمراہی میں تھے کہ تم کو رب العالمین کے برابر ٹھہراتے تھے۔

اس برابر جاننے کی چند صورتیں ہیں ایک یہ کہ کسی کو خدا کا ہم جنس مانا جائے جیسے عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو اور یہودی عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے تھے اور مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مانتے تھے چونکہ اولاد باپ کی ملک نہیں ہوتی بلکہ باپ کی ہم جنس اور مساوی ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ ماننے والا مشرک ہوگا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَہٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّکْرَمُوْنَ ○ (پ۱۷،الانبیاء:۲۶)
یہ لوگ بولے کہ اللہ نے بچے اختیار فرمائے پاکی ہے اس کے لئے بلکہ یہ اللہ کے عزت والے بندے ہیں۔

﴿۲﴾ قَالَتِ الْیَھُوْدُ عُزَیْرُ نِ ابْنُ اللّٰہِ وَقَالَتِ النَّصٰرَی الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰہِ (پ ۱۰،التوبة: ۳۰)

یہودی بولے کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائی بولے کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔

﴿۳﴾ وَجَعَلُوْالَہٗ مِنْ عِبَادِہٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَکَفُوْرٌ مُّبِیْنٌ ؕ (پ ۲۵،الزخرف: ۱۵)

بنادیا ان لوگوں نے اللہ کے لئے اس کے بندوں میں سے ٹکڑا بے شک آدمی کھلا ناشکرا ہے۔

﴿۴﴾ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِکَۃَ الَّذِیْنَ ھُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَھِدُوْا خَلْقَھُمْ ؕ (پ ۲۵،الزخرف: ۱۹)

انہوں نے فرشتوں کو جو رحمٰن کے بندے ہیں عورتیں ٹھہرایا کیا ان کے بناتے وقت یہ حاضر تھے۔

﴿۵﴾ اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا یَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰکُمْ بِالْبَنِیْنَ ؕ (پ۲۵،الزخرف: ۱۶)

کیا اس نے اپنی مخلوق میں سے بیٹیاں بنالیں اور تمہیں بیٹوں کے ساتھ خاص کیا۔

﴿۶﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَھُمْ وَخَرَقُوْا لَہٗ بَنِیْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ (پ۷،الانعام: ۱۰۰)

اور اللہ کا شریک ٹھہرایا جنوں کو حالانکہ اس نے ان کو بنایا اور اس کیلئے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیں جہالت سے۔

﴿۷﴾ لَیُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِکَۃَ تَسْمِیَۃَ الْاُنْثٰی ؕ (پ ۲۷،النجم: ۲۷)

یہ کفار فرشتوں کا نام عورتوں کا سا رکھتے تھے۔

ان جیسی بہت سی آیتوں میں اسی قسم کا شرک مراد ہے یعنی کسی کو رب کی اولاد ماننا دوسرے یہ کہ کسی کو رب تعالیٰ کی طرح خالق مانا جائے جیسے کہ بعض کفار عرب کا عقیدہ تھا کہ خیر کا خالق اللہ ہے اور شر کا خالق دوسرا رب، اب بھی پارسی یہی مانتے ہیں

خالق خیر کو ''یزداں'' اور خالق شر کو ''اہرمن'' کہتے ہیں۔ یہ وہی پرانا مشرکانہ عقیدہ ہے یا بعض کفار کہتے تھے کہ ہم اپنے برے اعمال کے خود خالق ہیں کیونکہ ان کے نزدیک بری چیزوں کا پیدا کرنا برا ہے لہٰذا اس کا خالق کوئی اور چاہیے اس قسم کے مشرکوں کی تردید کے لئے یہ آیات آئیں۔ خیال رہے کہ بعض عیسائی تین خالقوں کے قائل تھے جن میں سے ایک عیسیٰ علیہ السلام ہیں ان تمام کی تردید میں حسب ذیل آیات ہیں۔

﴿۱﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَاتَعْمَلُوْنَ ۝ (پ۲۳، الصافات:۹۶)
اللہ نے تم کو اور تمہارے سارے اعمال کو پیدا کیا۔

﴿۲﴾ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ز وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ ۝ (پ۲٤، الزمر:٦۲)
اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ہر چیز کا مختار ہے۔

﴿۳﴾ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ (پ۲۹، الملك:۲)
اللہ نے موت اور زندگی کو پیدا فرمایا۔

﴿۴﴾ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (پ۱۳، ابرٰهیم:۱۹)
اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔

﴿۴﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَالْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ (پ٦، المآئدة:۱۷)
بے شک کافر ہوگئے وہ جنہوں نے کہا کہ اللہ وہی مسیح مریم کا بیٹا ہے۔

﴿۵﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ (پ٦، المآئدة:۷۳)
بے شک کافر ہوگئے وہ جو کہتے ہیں کہ اللہ تین خداؤں میں تیسرا ہے۔

﴿۶﴾ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَ تَا (پ۱۷،الانبیآء:۲۲)

اگر زمین وآسمان میں خدا کے سوا اور معبود ہوتے تو یہ دونوں بگڑ جاتے۔

﴿۷﴾ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِىْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ط (پ۲۱،لقمٰن:۱۱)

یہ اللہ کی مخلوق ہے پس مجھے دکھاؤ کہ اس کے سوا اوروں نے کیا پیدا کیا۔

ان جیسی تمام آیتوں میں اسی قسم کے شرک کا ذکر ہے اور اسی کی تردید ہے۔ اگر یہ مشرک غیر خدا کو خالق نہ مانتے ہوتے تو ان سے یہ مطالبہ کرنا کہ ان معبودوں کی مخلوق دکھاؤ درست نہ ہوتا۔

تیسرے یہ کہ خود زمانہ کو مؤثر مانا جائے اور خدا کی ہستی کا انکار کیا جائے جیسا کہ بعض مشرکین عرب کا عقیدہ تھا۔ موجودہ دہریہ انہی کی یادگار ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ وَقَالُوْا مَا هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ج وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ج (پ۲۵،الجاثیة:۲۴)

وہ بولے وہ تو نہیں مگر یہی ہماری دنیا کی زندگی مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں ہلاک نہیں کرتا مگر زمانہ اور انہیں اس کا علم نہیں۔

اس قسم کے دہریوں کی تردید کے لئے تمام وہ آیات ہیں جن میں حکم دیا گیا ہے کہ عالم کی عجائبات میں غور کرو کہ ایسی حکمت والی چیزیں بغیر خالق کے نہیں ہوسکتیں۔

﴿۱﴾ يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ ط اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ (پ۱۳، الرعد:۳)

ڈھکتا ہے رات سے دن کو اس میں نشانیاں ہیں فکر والوں کے لئے۔

﴿۲﴾ اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ ۝ (پ٤، اٰل عمرٰن: ۱۹۰)

بے شک آسمان وزمین کی پیدائش اور دن رات کے گھٹنے بڑھنے میں نشانیاں ہیں عقل مندوں کے لئے۔

﴿۳﴾ وَفِى الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۝ وَفِىٓ اَنْفُسِكُمْ ط اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ (پ۲٦، الذٰريٰت: ۲۰، ۲۱)

اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین والوں کے لئے اور خود تمہاری ذاتوں میں ہیں تو تم دیکھتے کیوں نہیں۔

﴿۴﴾ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۝ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۝ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۝ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۝ (پ۳۰، الغاشية:۱۷۔۲۰)

کیا یہ نہیں دیکھتے اونٹ کی طرف کہ کیسے پیدا کیا گیا اور آسمان کی طرف کہ کیسا اونچا کیا گیا اور پہاڑوں کی طرف کہ کیسے گاڑا گیا اور زمین کی طرف کہ کیسے بچھائی گئی۔

اس قسم کی بیسیوں آیات میں ان دہریوں کی تردید ہے۔

چوتھے یہ عقیدہ کہ خالق ہر چیز کا تو رب ہی ہے مگر وہ ایک بار پیدا کر کے تھک گیا، اب کسی کام کا نہیں رہا، اب اس کی خدائی کی چلانے والے یہ ہمارے معبودین باطلہ ہیں۔ اس قسم کے مشرکین عجیب بکواس کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ چھ دن میں آسمان زمین پیدا ہوئے اور ساتواں دن اللہ نے آرام کا رکھا تھکن دور کرنے کو

اب بھی وہ آرام ہی کررہا ہے۔ چنانچہ فرقہ تعطیلیہ اسی قسم کے مشرکوں کی یادگار ہے۔ ان کی تردید ان آیات میں ہے:

﴿۱﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ق وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ہ (پ۲۶،قۤ:۳۸)	اور بے شک ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے چھ دن میں بنایا اور ہم کو تھکن نہ آئی
﴿۲﴾ اَفَعَیِیْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ط بَلْ هُمْ فِیْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ہ (پ۲۶،قۤ:۱۵)	تو کیا ہم پہلی بار بنا کر تھک گئے بلکہ وہ نئے بننے سے شبہ میں ہیں۔
﴿۳﴾ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ یَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنْ یُّحْیِ الْمَوْتٰی ط (پ۲۶،الاحقاف:۳۳)	اور کیا ان لوگوں نے غور نہ کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور انہیں پیدا کر کے نہ تھکا وہ قادر اس پر بھی ہے کہ مردوں کو زندہ کرے۔
﴿۴﴾ اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ہ (پ۲۳،یٰسۤ:۸۲)	اس کی شان یہ ہے کہ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اس سے کہتا ہے ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔

اس قسم کے مشرکوں کی تردید کیلئے اس جیسی کئی آیات ہیں جن میں فرمایا گیا کہ ہم کو عالم کے بنانے میں کسی قسم کی کوئی تھکاوٹ نہیں پہنچتی ۔اس قسم کے مشرک قیامت کے منکر اس لئے بھی تھے کہ وہ سمجھتے تھے ایک دفعہ دنیا پیدا فرما کر حق تعالیٰ کافی تھک چکا ہے اب دوبارہ کیسے بنا سکتا ہے۔ معاذ اللہ! اس لئے فرمایا گیا کہ ہم تو صرف

"کُنْ" سے ہر چیز پیدا فرماتے ہیں تھکن کیسی؟ ہم دوبارہ پیدا کرنے پر بدرجہ اولیٰ قادر ہیں کہ اعادہ سے ایجاد مشکل ہے۔

شرک کی پانچویں قسم

یہ عقیدہ ہے کہ ہر ذرہ کا خالق و مالک تو اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر وہ اتنے بڑے عالم کو اکیلا سنبھالنے پر قادر نہیں اس لئے اس نے مجبوراً اپنے بندوں میں سے بعض بندے عالم کے انتظام کے لئے چن لئے ہیں جیسے دنیاوی بادشاہ اور ان کے محکمے، اب یہ بندے جنہیں عالم کے انتظام میں دخیل بنایا گیا ہے وہ بندے ہونے کے باوجود رب تعالیٰ پر دھونس رکھتے ہیں کہ اگر ہماری شفاعت کریں تو رب کو مرعوب ہوکر ماننی پڑے اگر چاہیں تو ہماری بگڑی بنادیں، ہماری مشکل کشائی کردیں، جو وہ کہیں رب تعالیٰ کو ان کی ماننی پڑے ورنہ اس کا عالم بگڑ جاوے جیسے اسمبلی کے ممبر کہ اگرچہ وہ سب بادشاہ کی رعایا تو ہیں مگر ملکی انتظام میں ان کو ایسا دخل ہے کہ ملک ان سب کی تدبیر سے چل رہا ہے۔ یہ وہ شرک ہے جس میں عرب کے بہت سے مشرکین گرفتار تھے اور اپنے بت وڈ، یغوث، لات ومنات وعزی وغیرہ کو رب کا بندہ مان کر اور سارے عالم کا رب تعالیٰ کو خالق مان کر مشرک تھے۔ اس عقیدے سے کسی کو پکارنا شرک، اس کی شفاعت ماننا شرک، اسے حاجت روا مشکل کشا ماننا شرک، اس کے سامنے جھکنا شرک، اس کی تعظیم کرنا شرک، غرضیکہ یہ برابری کا عقیدہ رکھ کر اس کے ساتھ جو تعظیم وتوقیر کا معاملہ کیا جاوے وہ شرک ہے۔ ان کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے:

وَمَا یُؤۡمِنُ اَکۡثَرُھُمۡ بِاللّٰہِ اِلَّا وَھُمۡ مُّشۡرِکُوۡنَ○ (پ۱۳، یوسف:۱۰۶)	ان مشرکین میں سے بہت سے وہ ہیں کہ اللہ پر ایمان نہیں لاتے مگر شرک کرتے ہوئے۔

کہ خدا کو خالق، رازق مانتے ہوئے پھر مشرک ہیں، انہی پانچویں قسم کے مشرکین کے بارے میں فرمایا گیا:

﴿۱﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ○
(پ ۲۱ العنکبوت: ۶۱)

اگر آپ ان مشرکوں سے پوچھیں کہ کس نے آسمان و زمین پیدا کئے اور کام میں لگائے سورج اور چاند تو وہ کہیں گے اللہ نے تو فرماؤ کہ کیوں بھولے جاتے ہیں۔

﴿۲﴾ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ط قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ○
(پ ۱۸ المؤمنون: ۸۸۔۸۹)

فرمادو کہ ہر چیز کی بادشاہی کس کے قبضے میں ہے جو پناہ دیتا ہے اور پناہ نہیں دیا جاتا بتاؤ اگر تم جانتے ہو تو کہیں گے اللہ ہی کی ہے کہو پھر کہاں تم پر جادو پڑا جاتا ہے۔

﴿۳﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ○ (پ ۲۵، الزخرف: ۹)

اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کس نے پیدا کئے تو کہیں گے کہ انہیں غالب جاننے والے اللہ نے پیدا کیا ہے۔

﴿۴﴾ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ط قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○
(پ ۱۸، المؤمنون: ۸۴۔۸۵)

فرماؤ کس کی ہے زمین اور اس کی چیزیں اگر تم جانتے ہو تو کہیں گے اللہ کی فرماؤ کہ تم نصیحت حاصل کیوں نہیں کرتے۔

﴿۵﴾قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ○ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ○

(پ۱۸،المؤمنون:۸۶۔۸۷)

فرماؤ کہ سات آسمان اور بڑے عرش کا رب کون ہے؟ تو کہیں گے اللہ کا ہے فرماؤ کہ تم ڈرتے کیوں نہیں۔

﴿۶﴾ قُلْ مَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ یَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ یُّخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَمَنْ یُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَیَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ○

(پ۱۱،یونس:۳۱)

فرماؤ تمہیں آسمان و زمین سے رزق کون دیتا ہے یا کان آنکھ کا کون مالک ہے اور کون زندے کو مردے سے اور مردے کو زندہ سے نکالتا ہے اور کاموں کی تدبیر کون کرتا ہے تو کہیں گے اللہ! فرماؤ تو تم ڈرتے کیوں نہیں؟

﴿۷﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ○(پ۲۱،العنکبوت:۶۱)

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور کس نے سورج و چاند تابعدار کیا تو کہیں گے اللہ نے تو فرماؤ تم کدھر پھرے جاتے ہو۔

﴿۸﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ

(پ۲۱،العنکبوت:۶۳)

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے آسمان سے پانی اتارا پس زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کیا تو کہیں گے اللہ نے۔

ان جیسی بہت سی آیات سے معلوم ہوا کہ یہ پانچویں قسم کے مشرک اللہ تعالیٰ کو سب کا خالق، مالک، زندہ کرنے والا، مارنے والا، پناہ دینے والا، عالم کا مدبر مانتے تھے مگر پھر مشرک تھے یعنی ذات، صفات کا اقرار کرنے کے باوجود مشرک رہے کیوں؟ یہ بھی قرآن سے پوچھئے۔ قرآن فرماتا ہے کہ ان عقائد کے باوجود وہ دو سبب سے مشرک تھے ایک یہ کہ وہ صرف خدا کو عالم کا مالک نہیں مانتے تھے بلکہ اللہ کو بھی اور دوسرے اپنے معبودوں کو بھی۔ یہاں " للّٰہ " میں لام ملکیت کا ہے یعنی وہ اللہ کی ملکیت مانتے تھے مگر اکیلے کی نہیں بلکہ ساتھ ہی دوسرے معبودوں کی بھی، اسی لیے وہ یہ نہ کہتے تھے کہ ملکیت و قبضہ صرف اللہ کا ہے، اوروں کا نہیں بلکہ وہ کہتے تھے اللہ کا بھی ہے اور دوسروں کا بھی، دوسرے اسلئے کہ وہ سمجھتے تھے کہ اللہ اکیلا یہ کام نہیں کرتا بلکہ ہمارے بتوں کی مدد سے کرتا ہے۔ خود مجبور ہے اسی لئے ان دونوں عقیدوں کی تردید کے لئے حسب ذیل آیات ہیں:

﴿۱﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا (پ ۱۵، بنیٓ اسرآءیل: ۱۱۱)	اور فرماؤ کہ سب خوبیاں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے لئے اولاد نہ بنائی اور نہ اس کے ملک میں کوئی شریک ہے اور نہ کوئی کمزوری کی وجہ سے اس کا ولی مددگار ہے تو اس کی بڑائی بولو۔

اگر یہ مشرکین ملک اور قبضہ میں خدا کے سوا کسی کو شریک نہیں مانتے تھے تو یہ تردید کس کی ہو رہی ہے اور کس سے یہ کلام ہو رہا ہے۔

فرماتا ہے:

﴿۲﴾ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍo اِذْ نُسَوِّیْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَo (پ۱۹، الشعرآء:۹۷۔۹۸)

دوزخ میں مشرکین اپنے بتوں سے کہیں گے اللہ کی قسم ہم کھلی گمراہی میں تھے۔ کیونکہ ہم تم کو رب العالمین کے برابر سمجھتے تھے۔

یہ مشرک مسلمانوں کی طرح اللہ تعالیٰ کو ہر شے کا خالق، مالک بلا شرکت غیر کے مانتے تھے تو برابری کرنے کے کیا معنی ہیں، فرماتا ہے:

﴿۳﴾ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَاؕ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا یُصْحَبُوْنَ (پ۱۷، الانبیآء:۴۳)

کیا ان کے کچھ خدا ہیں جو ان کو ہم سے بچاتے ہیں وہ اپنی جانوں کو نہیں بچا سکتے اور نہ ہماری طرف سے ان کی کوئی یاری ہو۔

اس آیت میں مشرکین کے اسی عقیدے کی تردید کی ہے کہ ہمارے معبود ہمیں خدا سے مقابلہ کرکے بچا سکتے ہیں:

﴿۴﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَؕ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا یَمْلِكُوْنَ شَیْـًٔا وَّلَا یَعْقِلُوْنَo قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِیْعًا (پ۲۴، الزمر:۴۳، ۴۴)

بلکہ انہوں نے اللہ کے مقابل کچھ سفارشی بنا رکھے ہیں فرما دو کہ کیا اگرچہ وہ کسی چیز کے مالک نہ ہوں اور نہ عقل رکھیں فرما دو ساری شفاعتیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔

اس آیت میں مشرکین کے اسی عقیدے کی تردید ہے کہ ہمارے معبود بغیر اذن الٰہی دھونس کی شفاعت کرکے ہمیں اس کے غضب سے بچا سکتے ہیں اسی لئے اس جگہ بتوں کے مالک نہ ہونے اور رب کی ملکیت کا ذکر ہے یعنی ملک میں شریک ہونے کی وجہ سے اس کے ہاں کوئی شفیع نہیں ہے:

﴿۵﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (پ ۱۱، یونس: ۱۸)

اور پوجتے ہیں وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کو جو نہ انہیں نقصان دیں نہ نفع اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے شفیع ہیں اللہ کے نزدیک۔

اس آیت میں بھی مشرکین کے اسی عقیدے کی تردید ہے کہ ہمارے بت دھونس کی شفاعت کریں گے کیونکہ وہ رب تعالیٰ کے ساتھ اس کی مِلک میں اور عالم کا کام چلانے میں شریک ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین عرب کا شرک ایک ہی طرح کا نہ تھا بلکہ اس کی پانچ صورتیں تھیں:

﴿۱﴾ خالق کا انکار اور زمانہ کو مؤثر ماننا ﴿۲﴾ چند مستقل خالق ماننا ﴿۳﴾ اللہ کو ایک مان کر اس کی اولاد ماننا ﴿۴﴾ اللہ کو ایک مان کر اسے تھکن کی وجہ سے معطل ماننا ﴿۵﴾ اللہ کو خالق و مالک مان کر اسے دوسرے کا محتاج ماننا، جیسے اسمبلی کے ممبر، شاہان موجودہ کیلئے اور انہیں ملکیت اور خدائی میں دخیل ماننا۔ ان پانچ کے سوا اور چھٹی قسم کا شرک ثابت نہیں۔

ان پانچ قسم کے مشرکین کے لئے پانچ ہی قسم کی تردیدیں قرآن میں آئی ہیں جن پانچوں کا ذکر سورہ اخلاص میں اس طرح ہے کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ میں دہریوں کا رد کہ اللہ عالم کا خالق ہے۔ اَحَدٌ میں ان مشرکوں کا رد جو عالم کے دو خالق مستقل مانتے تھے تا کہ عالم کا کام چلے۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ میں ان مشرکین کا رد جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام و حضرت عزیر علیہ السلام کو رب تعالیٰ کا بیٹا یا فرشتوں کو رب تعالیٰ کی بیٹیاں مانتے

تھے۔ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ میں ان لوگوں کا رد جو خالق کو تھکا ہوا مان کر مدبر عالم اوروں کو مانتے تھے۔

﴿۱﴾ **اعتراض:** مشرکین عرب بھی اپنے بتوں کو خدا کے ہاں سفارشی اور خدا رسی کا وسیلہ مانتے تھے اور مسلمان بھی نبیوں، ولیوں کو شفیع اور وسیلہ مانتے ہیں تو وہ کیوں مشرک ہو گئے اور یہ کیوں مومن رہے؟ ان دونوں میں کیا فرق ہے؟

جواب: دو طرح فرق ہے کہ مشرکین خدا کے دشمنوں یعنی بتوں وغیرہ کو سفارشی اور وسیلہ سمجھتے تھے جو کہ واقعہ میں ایسے نہ تھے اور مومنین اللہ کے محبوبوں کو شفیع اور وسیلہ سمجھتے ہیں لہٰذا وہ کافر ہوئے اور یہ مومن رہے جیسے گنگا کے پانی اور بت کے پتھر کی تعظیم، ہولی، دیوالی، بنارس، کاشی کی تعظیم شرک ہے مگر آب زمزم، مقام ابراہیم، رمضان، محرم، مکہ معظّمہ، مدینہ طیبہ کی تعظیم ایمان ہے۔ حالانکہ زمزم اور گنگا جل دونوں پانی ہیں۔ مقام ابراہیم اور سنگ اسود۔ اور بت کا پتھر دونوں پتھر ہیں وغیرہ وغیرہ، دوسرے یہ کہ وہ اپنے معبودوں کو خدا کے مقابل دھونس کا شفیع مانتے تھے اور جبری وسیلہ مانتے تھے، مومن انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کو محض بندہ محض اعزازی طور پر خدا کے اذن وعطا سے شفیع یا وسیلہ مانتے ہیں۔ اذن اور مقابلہ ایمان وکفر کا معیار ہے۔

﴿۲﴾ **اعتراض:** مشرکین عرب کا شرک صرف اس لئے تھا کہ وہ مخلوق کو فریادرس، مشکل کشا، شفیع، حاجت روا، دور سے پکار سننے والا، عالم غیب، وسیلہ مانتے تھے وہ اپنے بتوں کو خالق، مالک، رازق، قابض موت وحیات بخشنے والا نہیں مانتے تھے۔ اللہ کا بندہ مان کر یہ پانچ باتیں ان میں ثابت کرتے تھے قرآن کے فتوے سے وہ مشرک

ہوئے۔لہٰذا موجودہ مسلمان جو نبیوں علیہم السلام، ولیوں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے لئے یہ مذکورہ بالا چیزیں ثابت کرتے ہیں وہ انہیں کی طرح مشرک ہیں اگر چہ انہیں خدا کا بندہ مان کر ہی کریں چونکہ یہ کام مافوق الاسباب مخلوق کے لئے ثابت کرتے تھے، مشرک ہوئے۔

جواب : یہ محض غلط اور قرآن کریم پر افترا ہے۔جب تک رب تعالیٰ کے ساتھ بندے کو برابر نہ مانا جاوے، شرک نہیں ہوسکتا۔ وہ بتوں کو رب تعالیٰ کے مقابل ان صفتوں سے موصوف کرتے تھے۔مومن رب تعالیٰ کے اذن سے انہیں محض اللہ کا بندہ جان کر مانتا ہے لہٰذا وہ مومن ہے۔ان اللہ کے بندوں کے لئے یہ صفات قرآن کریم سے ثابت ہیں، قرآنی آیات ملاحظہ ہوں۔

عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں باذن الٰہی مردوں کو زندہ، اندھوں، کوڑھیوں کو اچھا کرسکتا ہوں، میں باذن الٰہی ہی مٹی کی شکل میں پھونک مار کر پرندہ بنا سکتا ہوں جو کچھ تم گھر میں کھاؤ یا بچاؤ بتا سکتا ہوں ۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ میری قمیص میرے والد کی آنکھوں پر لگا دو۔انہیں آرام ہوگا، جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ میں تمہیں بیٹا دوں گا۔ان تمام میں مافوق الاسباب مشکل کشائی حاجت روائی علم غیب سب کچھ آ گیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام کی گھوڑی کی ٹاپ کی خاک نے بے جان بچھڑے میں جان ڈال دی، یہ مافوق الاسباب زندگی دینا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصاء دم میں لاٹھی اور دم میں زندہ سانپ بن جاتا تھا آپ کے ہاتھ کی برکت سے، حضرت آصف آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت بلقیس یمن سے شام میں

لے آئے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے تین میل کے فاصلے سے چیونٹی کی آواز سن لی، حضرت یعقوب علیہ السلام نے کنعان بیٹھے ہوئے یوسف علیہ السلام کو سات قفلوں سے بند مقفل کوٹھڑی میں برے ارادے سے بچایا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے روحوں کو حج کیلئے پکارا اور تا قیامت آنے والی روحوں نے سن لیا یہ تمام معجزات قرآن کریم سے ثابت ہیں جن کی آیات ان شاء اللہ باب احکام قرآنی میں پیش کی جائیں گی۔ یہ تو سب شرک ہوگئیں بلکہ معجزات اور کرامات تو کہتے ہی انہیں ہیں جو اسباب سے ورا ہو۔ اگر مافوق الاسباب تصرف ماننا شرک ہوجاوے تو ہر معجزہ وکرامت ماننا شرک ہوگا۔ ایسا شرک ہم کو مبارک رہے جو قرآن کریم سے ثابت ہو اور سارے انبیاء واولیاء کا عقیدہ ہو۔

فرق وہی ہے کہ باذن اللہ یہ چیزیں بندوں کو ثابت ہیں اور رب کے مقابل ماننا شرک ہے انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام رحمہم اللہ کے معجزات اور کرامات تو ہیں ہی۔ ایک ملک الموت اور ان کے عملہ کے فرشتے سارے عالم کو بیک وقت دیکھتے ہیں اور ہر جگہ بیک وقت تصرف کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ (پ۲۱،السجدۃ:۱۱)
فرمادو کہ تم سب کو موت کا فرشتہ موت دیگا جو تم پر مقرر کیا گیا ہے۔

﴿۲﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ (پ۸،الاعراف:۳۷)
یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے قاصد آئینگے انہیں موت دینے

ابلیس ملعون کو یہ قوت دی گئی ہے کہ وہ گمراہ کرنے کیلئے تمام کو بیک وقت دیکھتا ہے وہ بھی اور اس کی ذریت بھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۳﴾ اِنَّہٗ یَرٰکُمْ ھُوَ وَقَبِیْلُہٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَھُمْ (پ۸،الاعراف:۲۷) وہ شیطان اوراس کا قبیلہ تم سب کو وہاں سے دیکھتا ہے جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔

جو فرشتے قبر میں سوال و جواب کرتے ہیں، جو فرشتہ ماں کے پیٹ میں بچہ بناتا ہے، وہ سب جہان پر نظر رکھتے ہیں کیونکہ بغیر اس قوت کے وہ اتنا بڑا انتظام کر سکتے ہی نہیں اور تمام کام مافوق الاسباب ہیں۔ جواہر القرآن کے اس فتوے سے اسلامی عقائد شرک ہو گئے۔ فرق وہ ہی ہے جو عرض کیا گیا کہ رب کے مقابل یہ قوت ماننا شرک ہے اور رب کے خدام اور بندوں میں باذن الٰہی رب کی عطا سے یہ طاقتیں ماننا عین ایمان ہے۔

بدعت

بدعت کے لغوی معنی ہیں نئی چیز اصطلاح شریعت میں بدعت کہتے ہیں دین میں نیا کام جو ثواب کیلئے ایجاد کیا جائے اگر یہ کام خلاف دین ہو تو حرام ہے اور اگر اس کے خلاف نہ ہو تو درست یہ دونوں معنی قرآن شریف میں استعمال ہوئے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿۱﴾ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط (پ۱،البقرۃ:۱۱۷) وہ اللہ آسمانوں اور زمین کا ایجاد فرمانے والا ہے۔

﴿۲﴾ قُلْ مَا کُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ (پ۲۶،الاحقاف:۹) فرمادو کہ میں انوکھا رسول نہیں ہوں۔

ان دونوں آیتوں میں بدعت لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی انوکھا نیا رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَجَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَرَهْبَانِیَّةَ ۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَیْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَایَتِهَا ۚ فَاٰتَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ○

(پ ۲۷،الحدید:۲۷)

اور عیسیٰ علیہ السلام کے پیروؤں کے دل میں ہم نے نرمی اور رحمت رکھی اور ترک دنیا یہ بات جو انہوں نے دین میں اپنی طرف سے نکالی۔ہم نے ان پر مقرر نہ کی تھی ہاں یہ بدعت انہوں نے اللہ کی رضا چاہنے کو پیدا کی پھر اسے نہ نباہا جیسا اس کے نباہنے کا حق تھا تو ان کے مومنوں کو ہم نے ان کا ثواب عطا کیا اور ان میں سے بہت سے فاسق ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عیسائیوں نے رہبانیت اور تارک الدنیا ہونا اپنی طرف سے ایجاد کیا۔رب تعالیٰ نے ان کو اس کا حکم نہ دیا۔ بدعت حسنہ کے طور پر انہوں نے یہ عبادت ایجاد کی اللہ تعالیٰ نے انہیں اس بدعت کا ثواب دیا مگر جو اسے نباہ نہ سکے یا جو ایمان سے پھر گئے وہ عذاب کے مستحق ہو گئے معلوم ہوا کہ دین میں نئی بدعتیں ایجاد کرنا جو دین کے خلاف نہ ہوں ثواب کا باعث ہیں مگر انہیں ہمیشہ کرنا چاہیے جیسے چھ کلمے، نماز میں زبان سے نیت،قرآن کے رکوع وغیرہ،علم حدیث، محفل میلا د شریف ،اور ختم بزرگان، کہ یہ دینی چیزیں اگر چہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کے بعد ایجاد ہوئیں مگر چونکہ دین کے خلاف نہیں اور ان سے دینی فائدہ ہے لہٰذا باعث ثواب ہیں جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے کہ جو اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کرے اسے بہت ثواب ہوگا۔

الٰہ

قرآن شریف کی اصطلاحوں میں سے ایک اصطلاح لفظ الٰہ بھی ہے اس کی پہچان مسلمان کے لئے بہت ہی ضروری ہے کیونکہ کلمہ میں اسی کا ذکر ہے: لا الــــہ الا اللہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں نماز شروع کرتے ہی پڑھتے ہیں: لاالہ غیرك یااللہ! تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں غرضیکہ ایمان اور نماز بلکہ سارے اعمال اسی کی پہچان پر موقوف ہیں اگر ہمیں الٰہ کی خبر نہ ہو تو دوسروں سے نفی کس چیز کی کریں گے اور رب تعالیٰ کیلئے ثبوت کس چیز کا کرینگے غرضیکہ اس کی معرفت بہت اہم ہے۔

الٰہ کے متعلق ہم تین چیزیں عرض کرتے ہیں:

﴿ ۱ ﴾ الٰہ کے معنی وہابیوں نے کیا سمجھے اور اس میں کیا غلطی کی ﴿ ۲ ﴾ الٰہ ہونے کی پہچان شریعت اور قرآن میں کیا ہے یعنی کیسے پہچانیں کہ الٰہ حق کون ہے اور الٰہ باطل کون ﴿ ۳ ﴾ الوہیت کا مدار کس چیز پر ہے یعنی وہ کونسی صفات ہیں جن کے مان لینے سے اسے الٰہ ماننا پڑتا ہے۔ ان تینوں باتوں کو بہت غور سے سوچنا چاہیے۔

﴿ ۱ ﴾ وہابیوں نے الٰہ کا مدار دو چیزوں پر سمجھا ہے علم غیب اور مافوق الاسباب حاجات میں تصرف یعنی جس کے متعلق یہ عقیدہ ہو کہ وہ غیب کی بات جان لیتا ہے یا وہ بغیر ظاہری اسباب کے عالم میں تصرف یعنی عملدرآمد کرتا ہے حاجتیں پوری اور مشکلیں حل کرتا ہے وہی الٰہ ہے، دیکھو جواہر القرآن صفحہ ۱۱۲ (قانون لفظ الہ) مصنفہ مولوی غلام اللہ خاں صاحب۔

اس سے ان کا مقصود یہ ہے کہ عام مسلمان انبیاء علیہم السلام، اولیاء رحمھم اللہ کو عالم

غیب بھی مانتے ہیں اور مافوق الاسباب متصرف بھی لٰہذا یہ لوگ کلمہ کے ہی منکر ہیں اور مشرک ہیں۔

لیکن یہ معنی بالکل غلط قرآن کے خلاف، خود وہابیہ کے عقیدوں کے خلاف، صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اور عام مسلمین کے عقائد کے خلاف ہیں، اس لئے کہ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ فرشتے باذن پروردگار عالم میں تصرف کرتے ہیں کوئی زندوں کو مردہ کرتا ہے (ملک الموت) کوئی ماں کے پیٹ میں بچہ بناتا ہے کوئی بارش برساتا ہے کوئی حساب قبر لیتا ہے اور یہ سارے کام مافوق اسباب ہیں۔ تو وہابیہ کے نزدیک یہ سارے الٰہ ہوگئے اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام مافوق اسباب حاجتیں پوری کرتے ہیں مشکلیں حل کرتے ہیں عیسٰی علیہ السلام اندھوں، کوڑھوں کو اچھا اور مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ یوسف علیہ السلام اپنی قمیص سے باذن پروردگار نابینا آنکھ کو بینا کرتے تھے وغیرہ وغیرہ، یہ سب الٰہ ٹھہرے اور ان کا ماننے والا لاالہ الا اللّٰہ کا منکر ہوا حضرت عیسٰی علیہ السلام گھر میں کھائی بچائی چیزوں کی خبریں دیتے تھے۔ آصف برخیا تخت بلقیس آن کی آن میں شام میں لے آتے ہیں یہ بھی الٰہ ہوئے۔ غرضیکہ اس تعریف سے کوئی قرآن ماننے والا مسلمان نہیں ہوسکتا۔ شاید جواہر القرآن والے نے یہ تعریف سوتے میں لکھی ہے یا نشہ میں۔

مذکورہ بالا امور کی آیات ان شاءاللہ تیسرے باب میں پیش ہوں گی۔

﴿۲﴾ الٰہ برحق کی بڑی پہچان صرف یہ ہے کہ جس کو نبی کی زبان الٰہ کہے، وہ الٰہ برحق ہے اور جس کی الوہیت کا پیغمبر انکار کریں وہ الٰہ باطل ہے۔ تمام کافروں نے سورج، چاند، ستاروں، پتھروں کو الٰہ کہا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے اس کا انکار کیا سارے

جھوٹے اور نبی سچے، رب تعالیٰ کی الوہیت کا سارے فرعونیوں نے انکار کیا کلیم اللہ صلوۃ اللہ علیہ وسلامہ نے اقرار کیا۔ سارے فرعونی جھوٹے اور موسیٰ علیہ السلام سچے الہ کی پہچان اس سے اعلی ناممکن ہے نبی الہ کی دلیل مطلق اور برہان ناطق ہیں آیات ملاحظہ ہوں۔

﴿۱﴾ فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سٰجِدِیْنَ o قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o رَبِّ مُوْسٰی وَھٰرُوْنَ o (پ ۱۹، الشعرآء: ۴۶۔۴۸)

پس جادوگر سجدے میں ڈال دیئے گئے وہ بولے کہ ہم ایمان لائے جہانوں کے رب پر، جو رب ہے حضرت موسی وہارون کا۔

رب العالمین کی پہچان یہ بتائی کہ جو حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کا رب ہے ورنہ فرعون کہہ سکتا تھا کہ رب العالمین تو میں ہوں یہ مجھ پر ایمان لا رہے ہیں فرعون نے ڈوبتے وقت کہا تھا: اٰمَنْتُ بِرَبِّ مُوْسٰی وَھٰرُوْنَ میں حضرت موسیٰ وہارون کے رب پر ایمان لایا۔ اس نے بھی رب تعالیٰ کی معرفت بذریعہ ان دو پیغمبروں کے کی اگر چہ اس کا ایمان اس لئے قبول نہ ہوا کہ عذاب دیکھ کر ایمان لایا۔ جب ایمان کا وقت گزر چکا تھا۔

﴿۲﴾ اِذْ قَالَ لِبَنِیْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰـهَكَ وَ اِلٰـهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا (پ ۱ البقرة: ۱۳۳)

جب فرمایا یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے کہ میرے بعد کسے پوجوگے؟ تو وہ بولے کہ آپ کے اور آپ کے باپ دادوں ابراہیم، اسمٰعیل اور اسحاق علیہم السلام کے رب کی عبادت کریں گے۔

ان بزرگوں نے بھی سچے الہ کی پہچان یہی عرض کی کہ جو پیغمبروں کا بتایا ہوا الہ ہے وہی سچا ہے جیسے دھوپ آفتاب کی بڑی دلیل ہے ایسے ہی انبیاء کرام علیہم السلام

نورالٰہی کی تجلی اولی ہیں ان کا فرمان رب تعالیٰ کی قوی برہان ہے اگر کوئی نبی کا فرمان چھوڑ کر اپنی عقل ودانش سے خدا کو پہچانے نہ وہ مومن ہے نہ موحد۔

لفظ اِلٰہ کی تحقیق

اِلٰہ اِلٰـــہٌ سے بنا جس کے لغوی معنی ہیں انتہائی بلندی یا حیرانی۔ الٰہ وہ جو انتہائی بلند وبرتر ہو یا جس کی ذات یا صفات میں مخلوق کی عقل حیران رہ جائے قرآن کی اصطلاح میں الٰہ بمعنی مستحق عبادت ہے یعنی معبود جہاں کہیں اِلٰہ آوے اس کے معنی معبود ہونگے لا اِلٰہ نہیں ہے کوئی مستحق عبادت اِلّا اللّٰہ خدا کے سوا۔ مستحق عبادت وہ جس میں یہ صفات ہوں پیدا کرنا، رزق، زندگی، موت کا مالک ہونا۔ خود مخلوق کی صفات سے پاک ہونا جیسے کھانا، پینا، مرنا، سونا، مخلوق ہونا، کسی عیب کا حامل ہونا وغیرہ دانا غیب مطلق ہونا۔ عالم کا مالک حقیقی ہونا وغیرہ۔ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ اَمِ اتَّخَذُوۡۤا اٰلِهَةً مِّنَ الۡاَرۡضِ هُمۡ يُنۡشِرُوۡنَ۝ (پ۱۷، الانبیآء: ۲۱) کیا انہوں نے زمین میں سے معبود بنالیے وہ کچھ پیدا کرتے ہیں۔

یعنی چونکہ ان بتوں میں پیدا کرنے کی قابلیت نہیں وہ تو خود مخلوق ہیں لہٰذا وہ خدا نہیں۔

﴿۲﴾ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلۡحَىُّ الۡقَيُّوۡمُ ۚ لَا تَاۡخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوۡمٌ ؕ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ (پ۳، البقرۃ: ۲۵۵) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ آپ زندہ ہے اوروں کو قائم رکھنے والا ہے اسے نہ اونگھ آوے نہ نینداس کی ہی وہ چیزیں ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔

﴿۳﴾ مَا كَانَ مَعَهٗ مِنۡ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ ۢبِمَا خَلَقَ (پ۱۸، المؤمنون: ۹۱) اور نہ اس کے ساتھ کوئی معبود ہے یوں ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق لے جاتا۔

﴿۴﴾وَاتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اٰلِہَۃً لَّا یَخۡلُقُوۡنَ شَیۡئًا وَّہُمۡ یُخۡلَقُوۡنَ وَلَا یَمۡلِکُوۡنَ لِاَنۡفُسِہِمۡ ضَرًّا وَّلَا نَفۡعًا وَّلَا یَمۡلِکُوۡنَ مَوۡتًا وَّلَا حَیٰوۃً وَّلَا نُشُوۡرًا ۝ (پ۱۸،الفرقان:۳)

انہوں نے خدا کے سوا اور خدا ٹھہرا لئے جو کچھ نہیں پیدا کرتے اور خود پیدا کئے جاتے ہیں اور نہیں مالک ہیں اپنی جانوں کیلئے نقصان و نفع کے اور نہیں مالک ہیں مرنے جینے کے اور نہ اٹھنے کے۔

ان جیسی بہت سی آیات سے یہ ہی پتا لگتا ہے کہ الٰہ حقیقی ہونے کا مدار مذکورہ بالا صفات پر ہے۔ مشرکین کے بتوں اور اللہ تعالیٰ کے دیگر بندوں میں چونکہ یہ صفات موجود نہیں ہیں اور مخلوق کی صفتیں موجود ہیں جیسے کھانا، پینا، مرنا، سونا، صاحب اولاد ہونا۔ لہٰذا وہ الٰہ نہیں ہوسکتے۔

وَاُمُّہٗ صِدِّیۡقَۃٌ ؕ کَانَا یَاۡکُلٰنِ الطَّعَامَ (پ۶،المآئدۃ:۷۵)

اور عیسیٰ علیہ السلام کی ماں بہت سچی تھیں یہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔

یعنی مسیح اور ان کی والدہ صاحبہ چونکہ کھانا کھاتے لہٰذا الٰہ نہیں۔

مشرکین عرب نے اپنے معبودوں میں چونکہ حسب ذیل باتیں مانیں لہٰذا انہیں الٰہ مان لیا اور مشرک ہوگئے۔

﴿۱﴾ رب تعالیٰ کے مقابل دوسروں کی اطاعت کرنا حق سمجھ کر یعنی ان کا معبود جو کہے وہی حق ہے۔ خواہ رب کے خلاف ہی ہو۔

﴿۱﴾اَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـہَہٗ ہَوٰىہُ ؕ اَفَاَنۡتَ تَکُوۡنُ عَلَیۡہِ وَکِیۡلًا (پ۱۹،الفرقان:۴۳)

تو دیکھو تو جس نے اپنی خواہش نفسانی کو اپنا الٰہ بنالیا تو کیا تم اس کی نگہبانی کے ذمہ دار ہوگئے۔

﴿۲﴾ اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ ۚ وَمَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِیَعْبُدُوْۤا اِلٰهًا وَّاحِدًا (پ ۱۰، التوبۃ: ۳۱)

عیسائیوں نے اپنے پادریوں اور جوگیوں کو اللہ کے سوا خدا بنالیا اور مسیح بیٹے مریم کو اور انہیں حکم نہ تھا مگر یہ کہ ایک خدا کو پوجیں۔

ظاہر ہے کہ عیسائیوں نے نہ تو اپنی خواہش کو نہ اپنے پادریوں کو خدا مانا مگر چونکہ رب تعالیٰ کے مقابلہ میں ان کی اطاعت کی اس لئے انہیں گویا الٰہ بنالیا۔

﴿۲﴾ کسی کو یہ سمجھنا کہ یہ ہم کو رب تعالیٰ کے مقابلہ میں اس سے بچالے گا یعنی وہ عذاب دینا چاہے تو یہ نہ دینے دیں۔

﴿۱﴾ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا یُصْحَبُوْنَ ○ (پ ۱۷، الانبیآء: ۴۳)

کیا ان کے کچھ خدا ہیں جو ان کو ہمارے مقابل ہم سے بچالیں وہ تو اپنی جانوں کو نہیں بچاسکتے اور نہ ہماری طرف سے ان کی مدد کی جائے۔

﴿۳﴾ کسی کو دھونس کا شفیع سمجھنا کہ رب تعالیٰ کے مقابل اس کی مرضی کیخلاف ہمیں اس سے چھڑالیگا۔

﴿۱﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا یَمْلِكُوْنَ شَیْــٴًـا وَّلَا یَعْقِلُوْنَ ○ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِیْعًا (پ ۲۴، الزمر: ۴۳، ۴۴)

کیا انہوں نے اللہ کے مقابل سفارشی بنا رکھے ہیں فرمادو کہ کیا اگر چہ وہ کسی چیز کے مالک نہ ہوں اور نہ عقل رکھیں فرمادو کہ شفاعت تو سب اللہ کے ہاتھ میں ہے ۔

﴿۲﴾ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ (پ ۳ البقرۃ: ۲۵۵)

وہ کون ہے جو رب کے پاس اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کرسکے۔

﴿۴﴾ کسی کو شفیع سمجھ کر پوجنا اسے تعبدی سجدہ کرنا۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (پ ۱۱، یونس:۱۸)

اور وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کو پوجتے ہیں جو نہ انہیں نقصان دے نہ نفع اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے نزدیک۔

﴿۵﴾ کسی کو خدا کی اولاد ماننا، پھر اس کی اطاعت کرنا۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ط (پ ۷، الانعام: ۱۰۰)

اور بنایا ان مشرکین نے جنات کو اللہ کا شریک حالانکہ اس نے انہیں پیدا کیا اور بنایا اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں۔

غرضیکہ الٰہ کا مدار صرف اسی پر ہے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کے برابر ماننا اور برابری کی وہ ہی صورتیں ہیں جو اوپر کی آیات سے معلوم ہوئیں۔ ہم مخلوق کو سمیع، بصیر، زندہ، قادر، مالک، وکیل، حاکم، شاہد اور متصرف مانتے ہیں مگر مشرک نہیں کیونکہ کسی کو ان صفات میں رب تعالیٰ کی طرح نہیں مانتے۔

اعتراض: رب تعالیٰ بتوں اور نبیوں، ولیوں کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ط سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ (پ ۲۰، القصص:۶۸)

اور ان کے لئے کوئی اختیار نہیں اللہ پاک اور برتر ہے اس سے جو شرک کرتے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کو اختیار ماننا ہی شرک ہے تم بھی نبیوں، ولیوں کو اختیار مانتے ہو تم نے انہیں الٰہ بنا لیا۔

جواب: یہاں اختیار سے مراد پیدا کرنے کا اختیار ہے، اسی لئے فرمایا گیا:

وَرَبُّکَ یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ وَیَخۡتَارُ ؕ مَا کَانَ لَھُمُ الۡخِیَرَۃُ (پ۲۰، القصص:۶۸)	آپ کا رب جو چاہے پیدا کرے اور اختیار فرمائے انہیں کوئی اختیار نہیں۔

بااختیار سے مراد ہے رب تعالیٰ کے مقابل اختیار ورنہ تم بھی بادشاہوں، حاکموں کو بااختیار مانتے ہو۔ اسی لئے ان سے ڈرتے ہو۔

اعتراض: رب تعالیٰ نے نبیوں، ولیوں اور بتوں کے لئے فرمایا:

وَیَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَا لَا یَضُرُّھُمۡ وَلَا یَنۡفَعُھُمۡ (پ۱۱، یونس:۱۸)	وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کو پوجتے ہیں جو نہ انہیں نقصان دے نہ نفع۔

معلوم ہوا کہ کسی کو نافع اور ضار ماننا اسے الٰہ ماننا ہے اور تم بھی نبیوں، ولیوں کو نافع اور ضار مانتے ہو تم بھی مشرک ہوئے۔

جواب: ان جیسی آیات میں رب تعالیٰ کے مقابلہ میں نافع ماننا مراد ہے کہ رب تعالیٰ چاہے ہمیں نقصان پہنچانا اور یہ ہمیں نفع پہنچادیں، اس کی تفسیر یہ آیت ہے:

وَاِنۡ یَّخۡذُلۡکُمۡ فَمَنۡ ذَاالَّذِیۡ یَنۡصُرُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ (پ۴، اٰل عمرٰن:۱۶۰)	اگر خدا تمہیں رسوا کرے تو اس کے بعد تمہیں مدد کون دے گا۔

ورنہ تم بھی بادشاہ حاکموں، بلکہ سانپ، بچھو، دواؤں کو نافع اور نقصان دہ مانتے ہو۔ نیز فرماتا ہے:

وَاِنۡ یَّمۡسَسۡکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗۤ اِلَّا ھُوَ ؕ وَاِنۡ یَّمۡسَسۡکَ بِخَیۡرٍ فَھُوَعَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ○ (پ۷، الانعام:۱۷)	اگر تجھے اللہ سختی پہنچائے تو اس کے سوا کوئی دور کرنیوالا نہیں اور جو تجھے بھلائی پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

یہ آیت ان تمام آیتوں کی تفسیر ہے کہ نفع نقصان سے مراد رب تعالیٰ کے مقابل نفع اور نقصان ہے۔

اعتراض: رب تعالیٰ فرماتا ہے:

یٰۤاَبَتِ لِمَ تَعۡبُدُ مَا لَا یَسۡمَعُ وَلَا یُبۡصِرُ وَلَا یُغۡنِیۡ عَنۡکَ شَیۡئًا○ (پ۱۶،مریم:۴۲)	ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ اے باپ تم اسے کیوں پوجتے ہو جو نہ سنے نہ دیکھے نہ تم سے کچھ مصیبت دور کرے۔

معلوم ہوا کہ کسی کو غائبانہ پکار سننے والا، غائبانہ دیکھنے والا، نافع وضار ماننا، اسے الٰہ ماننا ہے۔ یہ شرک ہے۔ تم بھی نبیوں، ولیوں میں یہ صفات مانتے ہو۔ لہٰذا انہیں الٰہ مانتے ہو۔

جواب: اس آیت میں دور سے سننے، دیکھنے کا ذکر کہاں ہے؟ یہاں تو کفار کی حماقت کا ذکر ہے کہ وہ ایسے پتھروں کو پوجتے ہیں جن میں دیکھنے، سننے کی بھی طاقت نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ جو سنے، دیکھے، وہ خدا ہے ورنہ پھر تو ہر زندہ انسان خدا ہونا چاہیے کہ وہ سنتا، دیکھتا ہے۔ **فَجَعَلۡنٰہُ سَمِیۡعًۢا بَصِیۡرًا○** (الدھر:۲)، رب تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَہُمۡ اَرۡجُلٌ یَّمۡشُوۡنَ بِہَاۤ ۫ اَمۡ لَہُمۡ اَیۡدٍ یَّبۡطِشُوۡنَ بِہَاۤ ۫ اَمۡ لَہُمۡ اَعۡیُنٌ یُّبۡصِرُوۡنَ بِہَاۤ ۫ (پ۹،الاعراف:۱۹۵)	کیا ان بتوں کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلیں یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑیں یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھیں۔

اس میں بھی ان کفار کی حماقت کا ذکر ہے کہ وہ بے آنکھ، بے ہاتھ اور بے پاؤں کی مخلوق کو پوجتے ہیں حالانکہ ان بتوں سے خود یہ بہتر ہیں کہ ان کے ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان وغیرہ تو ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جس کے آنکھ، کان ہوں وہ خدا

ہو جائے۔

اعتراض: رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ○ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (پ ۱۶، طٰہٰ:۷،۸)

اگر تم اونچی بات کہو تو وہ پوشیدہ اور چھپی باتوں کو جان لیتا ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ الٰہ کی شان یہ ہے کہ اونچی نیچی، ظاہر، چھپی سب باتوں کو جانے، اگر کسی نبی ولی میں یہ طاقت مانی گئی تو اسے الٰہ مان لیا گیا اور شرک ہو گیا۔

جواب: خدا کی یہ صفات ذاتی، قدیم، غیر فانی ہیں۔ اسی طرح کسی میں یہ صفات ماننا شرک ہے۔ اس نے اپنے بندوں کو ظاہر پوشیدہ باتیں جاننے کی قوت بخشی ہے یہ قوت بہ عطاء الٰہی عارضی غیر میں ماننا عین ایمان ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ○ (پ ۲۶، قٓ:۱۸)

بندہ کوئی بات منہ سے نہیں نکالتا مگر اس کے پاس ایک محافظ تیار بیٹھا ہے۔

یعنی اعمالنامہ لکھنے والا فرشتہ انسان کا ہر ظاہر اور پوشیدہ کلام لکھتا ہے۔ اگر اسی فرشتے کو ہر ظاہر باطن بات کا علم نہ ہوتا تو لکھتا کیسے ہے؟

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ○ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ○ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ○

اور بے شک تم پر کچھ نگہبان ہیں معزز لکھنے والے جانتے ہیں ہر وہ جو تم کرو۔

(پ ۳۰، الانفطار: ۱۰ـ۱۲)

پتا لگا کہ اعمال نامہ لکھنے والے فرشتے ہمارے چھپے اور ظاہر عمل کو جانتے ہیں ورنہ تحریر کیسے کریں۔

اعتراض: رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَنَّہٗ کَانَ رِجَالٌ مِّنَ الۡاِنۡسِ یَعُوۡذُوۡنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الۡجِنِّ فَزَادُوۡھُمۡ رَھَقًا O (پ۲۹،الجن:۶)

اور کچھ انسانوں کے مرد کچھ جنوں کے مردوں کی پناہ لیتے تھے اور اس سے ان کا اور تکبر بڑھ گیا۔

معلوم ہوا کہ خدا کے سوا کسی کی پناہ لینا کفر وشرک ہے۔ فرماتا ہے:

وَھُوَیُجِیۡرُ وَلَایُجَارُ عَلَیۡہِ (پ۱۸،المؤمنون:۸۸)

وہ رب پناہ دیتا ہے اور اس پر پناہ نہیں دی جاتی۔

جواب: ان آیات میں رب تعالیٰ کے مقابل پناہ لینا مراد ہے نہ کہ اس کے اذن سے اس کے بندوں کی پناہ۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَوۡ اَنَّھُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَھُمۡ جَآءُوۡکَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰہَ وَاسۡتَغۡفَرَلَھُمُ الرَّسُوۡلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیۡمًا O (پ۵،النسآء:۶۴)

اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر کے تمہارے پاس آجاویں اور اللہ سے بخشش چاہیں اور آپ بھی ان کی مغفرت کی دعا کریں تو اللہ کو توبہ قبول کرنیوالا مہربان پائیں۔

اگر یہ مراد نہ ہو تو ہم سردی گرمی میں کپڑوں مکانوں سے پناہ لیتے ہیں، بیماری میں حکیم سے، مقدمہ میں حاکموں سے یہ سب شرک ہو جاوے گا۔

اعتراض: خدا کے سوا کسی کو علم غیب ماننا شرک ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلۡ لَّایَعۡلَمُ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ الۡغَیۡبَ اِلَّا اللّٰہُ (پ۲۰،النمل:۶۵)

فرمادو جو آسمانوں اور زمین میں ہے ان میں غیب کوئی نہیں جانتا اللہ کے سوا۔

علم غیب دلیل الوہیت ہے جسے علم غیب مانا اسے الٰہ مان لیا۔ (جواہر القرآن)

جواب: اگر علم غیب دلیل الوہیت ہے تو ہر مومن الٰہ ہے کیونکہ ایمان بالغیب کے بغیر کوئی مومن نہیں ہوتا **اَلَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ** (البقرۃ:۳) اور بغیر علم کے ایمان ناممکن ہے اور ملک الموت، ابلیس، فرشتہ کاتب تقدیر بھی الٰہ ہو گئے کہ ان سب کو بہت علوم غیبیہ دیئے گئے ہیں۔ رب فرماتا ہے:

اِنَّہٗ یَرٰىکُمۡ ہُوَ وَ قَبِیۡلُہٗ مِنۡ حَیۡثُ لَا تَرَوۡنَہُمۡ (پ۸،الاعراف:۲۷) وہ ابلیس اور اس کے قبیلہ والے تم کو وہاں سے دیکھتے ہیں کہ تم انہیں دیکھ نہیں سکتے۔

غیب کے متعلق نفی کی آیات بھی ہیں اور ثبوت کی بھی۔ نفی کی آیات میں واجب، قدیم، کل، ذاتی علم مراد ہے اور ثبوت کی آیات میں عطائی، ممکن، بعض، عارضی علم مراد۔ رب فرماتا ہے:

﴿۱﴾ **وَلَا رَطۡبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ**O (پ۷،الانعام:۵۹) نہیں ہے کوئی خشک و تر چیز مگر وہ روشن کتاب لوح محفوظ میں ہے۔

﴿۲﴾ **وَتَفۡصِیۡلَ الۡکِتٰبِ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ** (پ۱۱،یونس:۳۷) قرآن لوح محفوظ کی تفصیل ہے اس میں شک نہیں۔

﴿۳﴾ **نَزَّلۡنَا عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ تِبۡیَانًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ** (پ۱۴،النحل:۸۹) ہم نے آپ پر قرآن اتارا تمام چیزوں کا روشن بیان

اگر کسی کو علم غیب نہیں دینا تھا تو لکھا کیوں؟ اور جب لکھا گیا تو جو فرشتے لوح محفوظ کے حافظ ہیں تو انہیں علم ہے یا نہیں؟ ضرور ہے تو چاہیے کہ یہ سب الٰہ بن جائیں۔ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ حکم صرف اللہ کا ہے:

﴿۱﴾ **اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ** نہیں ہے حکم مگر اللہ کا۔

(پ۷،الانعام:۵۷)

﴿۲﴾ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَكِیْلًا — میرے سوا کسی کو وکیل نہ بناؤ۔
(پ ۱۵، بنیۤ اسرآءیل: ۲)

﴿۳﴾ وَكَفٰی بِاللّٰهِ حَسِیْبًا۝ — اللہ کافی حساب لینے والا ہے۔
(پ ٤، النسآء: ٦)

تو چاہیے کہ وکیل ہونا، حکم ہونا، حسیب ہونا، الوہیت کی دلیل ہو۔ جسے وکیل مانا۔ اسے خدا مان لیا۔

گر ہمیں مکتب وہمیں مُلّا — کار طفلاں تمام خواہد شد!

ولی

لفظ "وَلِیْ" وَلْیٌ یا وَلَایَۃٌ سے بنا ہے۔ وَلْیٌ کے معنی قرب اور ولایت کے معنی حمایت ہیں، لہٰذا وَلْیٌ کے لغوی معنی قریب، والی، حمایتی ہیں۔ قرآن شریف میں یہ لفظ اتنے معنی میں استعمال ہوا ہے ا۔ دوست، ۲۔ قریب، ۳۔ مددگار، ۴۔ والی، ۵۔ وارث، ٦۔ معبود، ۷۔ مالک، ۸۔ ہادی

﴿ ۱﴾ اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ۝ (پ٦، المائدۃ: ۵۵) — تمہارا دوست یا مددگار صرف اللہ اور اسکے رسول اور وہ مومن ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور رکوع کرتے ہیں۔

﴿۲﴾ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ — ہم ہی تمہارے دوست ہیں دنیا اور آخرت میں۔
(پ ۲٤، حٰمٓ السجدۃ: ۳۱)

﴿۳﴾فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَمَوْلٰہُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ ج وَالْمَلٰٓئِکَۃُ بَعْدَ ذٰلِکَ ظَھِیْرٌO(پ۲۸،التحریم:۴)

پس نبی کا مددگار اللہ ہے اور جبریل اور نیک مومن اور اس کے بعد فرشتے مددگار ہیں۔

﴿۴﴾وَاجْعَلْ لَّنَامِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا لا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ نَصِیْرًاO (پ۵،النسآء:۷۵)

پس بنادے تو ہمارے لئے اپنے پاس سے والی اور بنادے ہمارے لئے اپنے پاس سے مددگار۔

﴿۵﴾اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ وَاَزْوَاجُہٗٓ اُمَّھٰتُھُمْ (پ۲۱،الاحزاب:۶)

نبی زیادہ قریب یا زیادہ مالک ہیں مسلمانوں کے بمقابلہ ان کی جانوں کے اوران کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔

ان آیتوں میں ولی کے معنی قریب، دوست، مددگار، مالک ہیں۔

﴿۶﴾اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْاوَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ط (پ۱۰،الانفال:۷۲)

بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں اور وہ جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی ان کے بعض بعض کے وارث ہیں

اس آیت میں ولی بمعنی وارث ہے کیونکہ شروع اسلام میں مہاجر و انصار ایک دوسرے کے وارث بنادیئے گئے تھے۔

﴿۷﴾وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْاوَلَمْ یُھَاجِرُوْا مَا لَکُمْ مِّنْ وَّلَایَتِھِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُھَاجِرُوْا (پ۱۰،الانفال:۷۲)

اور جو ایمان لائے اورانہوں نے ہجرت نہ کی انہیں ان کی وراثت سے کچھ نہیں یہاں تک کہ ہجرت کریں۔

اس آیت میں بھی ولی سے مراد وارث ہے کیونکہ اول اسلام میں غیر مہاجر، مہاجر کا وارث نہ ہوتا تھا۔

﴿۸﴾ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ (پ۱۰،الانفال:۷۳)
اور کافر بعض بعض کے وارث ہیں۔

﴿۹﴾ واُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُھُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ (پ۱۰،الانفال:۷۵)
رشتہ دار بعض بعض کے وارث ہیں

﴿۱۰﴾ فَھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّاo یَرِثُنِیْ وَیَرِث مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ (پ۱۶،مریم:۵،۶)
تو مجھے اپنے پاس سے کوئی ایسا وارث دے جو میرا اور آل یعقوب کا وارث و جانشین ہو۔

ان آیات میں بھی ولی سے مراد وارث ہے جیسا کہ بالکل ظاہر ہے۔

﴿۱۱﴾ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ط وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓئُھُمُ الطَّاغُوْتُ لا یُخْرِجُوْنَھُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ط (پ۳،البقرۃ:۲۵۷)
اللہ تعالیٰ مومنوں کا حامی والی ہے کہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے اور کافروں کے حامی والی شیطان ہیں جو انہیں روشنی سے اندھیرے کی طرف نکالتے ہیں۔

اس آیت میں ولی بمعنی حامی والی ہے، بعض آیات میں ولی بمعنی معبود آیا ہے ملاحظہ ہو:

﴿۱۲﴾ وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَآءَ م مَا نَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی ط (پ۲۳،الزمر:۳)
جنہوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنالئے اور کہتے ہیں کہ نہیں پوجتے ہم ان کو مگر اس لئے کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کردیں۔

اس آیت میں ولی بمعنی معبود ہے اس لئے آگے فرمایا گیا: مَا نَعۡبُدُهُمۡ

﴿۱۳﴾ اَفَحَسِبَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا عِبَادِیۡ مِنۡ دُوۡنِیۡۤ اَوۡلِیَآءَ ؕ اِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا جَهَنَّمَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ نُزُلًا ۝ (پ۱۶، الکھف: ۱۰۲)

تو کیا یہ کافر یہ سمجھتے ہیں کہ میرے سوا میرے بندوں کو معبود بنالیں بے شک ہم نے کافروں کی مہمانی کیلئے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔

اس آیت میں بھی ولی بمعنی معبود ہے۔ اس لئے ان ولی بنانے والوں کو کافر کہا گیا۔ کیونکہ کسی کو دوست اور مددگار بنانے سے انسان کافر نہیں ہوتا جیسا کہ پچھلی آیتوں سے معلوم ہوا ہے۔ معبود بنانے سے کافر ہوتا ہے:

﴿۱۴﴾ مَثَلُ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡلِیَآءَ کَمَثَلِ الۡعَنۡکَبُوۡتِ ۚ اِتَّخَذَتۡ بَیۡتًا (پ۲۰، العنکبوت: ۴۱)

ان کی مثال جنہوں نے خدا کے سوا کوئی معبود بنالیا مکڑی کی طرح ہے جس نے گھر بنایا۔

اس آیت میں بھی ولی بمعنی معبود ہے کہ یہاں کفار کی مذمت بیان ہو رہی ہے اور کافر ہی دوسروں کو معبود بناتے ہیں۔

ولی اللہ، ولی من دون اللہ

ولی بمعنی دوست یا مددگار دو طرح کے ہیں ایک اللہ کے ولی، دوسرے اللہ کے مقابل ولی۔ اللہ کے ولی وہ ہیں جو اللہ سے قرب رکھتے ہیں اور اس کے دوست ہوں اور اسی وجہ سے دنیا والے انہیں دوست رکھتے ہیں ولی من دون اللہ کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ خدا کے دشمنوں کو دوست بنایا جائے جیسے کافروں یا بتوں یا شیطان کو،

دوسرے یہ کہ اللہ کے دوستوں یعنی نبی، ولی کو خدا کے مقابل مددگار سمجھا جائے کہ خدا کا مقابلہ کرکے یہ ہمیں کام آئیں گے۔ ولی اللہ کو ماننا عین ایمان ہے اور ولی من دون اللہ بنانا عین کفر وشرک ہے۔ ولی اللہ کے لئے یہ آیت ہے:

﴿۱﴾ اَلَآ اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَاھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ؕۚ اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَکَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ ؕ

خبردار! اللہ کے دوست نہ ان پر خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے وہ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں ۔

(پ ۱۱، یونس: ۶۲،۶۳)

اس آیت میں ولی اللہ کا ذکر ہے۔

﴿۲﴾ لَایَتَّخِذِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الۡکٰفِرِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ

مسلمان کافروں کو دوست نہ بنائیں مسلمانوں کے سوا۔

(پ ۳، ال عمرٰن: ۲۸)

﴿۳﴾ مَا لَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیۡرٍ ؕ (پ ۱، البقرۃ: ۱۰۷)

اللہ کے مقابل نہ تمہارا کوئی دوست ہے اور نہ مددگار

ان دو آیتوں میں ولی من دون اللہ کا ذکر ہے۔ پہلی آیت میں دشمنان خدا کو دوست بنانے کی ممانعت ہے۔ دوسری میں خدا کے مقابل دوست کی نفی ہے یعنی رب تعالٰی کے مقابل دنیا میں کوئی مددگار نہیں نہ ولی، نہ پیر، نہ نبی۔ یہ حضرات جس کی مدد کرتے ہیں اللہ کے حکم اور اللہ کے ارادے سے کرتے ہیں۔

ولی یا اولیاء کے ان معانی کا بہت لحاظ رکھنا چاہیے۔ بے موقع ترجمہ بدعقیدگی کا باعث ہوتا ہے مثلاً۔ اگر نمبر ۱ کی آیت اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوۡلُہٗ (المائدۃ: ۵۵) کا

ترجمہ یہ کردیا جائے کہ تمہارے معبود اللہ، رسول اور مومنین ہیں شرک ہوگیا اور اگر مَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ٥ (البقرۃ:١٠٧) کے یہ معنی کردیئے جائیں کہ خدا کے سوا کوئی مددگار نہیں تو کفر ہوگیا کیونکہ قرآن نے بہت سے مددگاروں کا ذکر فرمایا ہے اس آیت کا انکار ہوگیا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے کافروں، ملعونوں کا کوئی مددگار نہیں۔ معلوم ہوا کہ مومنوں کے مددگار ہیں۔

﴿۱﴾ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ٥ (پ٥، النسآء:٥٢) اور جس پر خدا لعنت کردے اس کے لئے مددگار کوئی نہیں پاؤ گے۔

﴿۲﴾ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ (پ٢٥، الشوریٰ:٤٤) اور جسے اللہ گمراہ کردے اس کے پیچھے کوئی مددگار نہیں۔

﴿۳﴾ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ٥ (پ١٥، الکھف:١٧) جسے اللہ گمراہ کردے اس کیلئے ہادی مرشد آپ نہ پائیں گے۔

دعا

دُعَا دَعْوٌ یا دَعْوَتٌ سے بنا ہے جس کے معنی بلانا یا پکارنا ہے۔ قرآن شریف میں لفظ دعا پانچ معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ۱۔ پکارنا، ۲۔ بلانا، ۳۔ مانگنا یا دعا کرنا، ۴۔ پوجنا یعنی معبود سمجھ کر پکارنا، ۵۔ تمنا آرزو کرنا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ (پ٢١، الاحزاب:٥) انہیں ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو یہ اللہ کے نزدیک عدل ہے۔

﴿۲﴾ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ (پ٤، اٰل عمرٰن:١٥٣) اور پیغمبر تم کو تمہارے پیچھے پکارتے تھے۔

﴿۳﴾ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًاؕ (پ۱۸،النور:۶۳)
رسول کے پکارنے کو بعض کے بعض کو پکارنے کی طرح نہ بناؤ۔

ان جیسی تمام آیات میں دعا بمعنی پکارنا ہے۔رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ اُدْعُ اِلٰى سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (پ۱۴،النحل:۱۲۵)
اپنے رب کے راستہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور اچھی نصیحت سے بلاؤ۔

﴿۲﴾ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (پ۱،البقرة:۲۳)
اور بلاؤ اپنے مددگاروں کو اللہ کے سوا۔

﴿۳﴾ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَیْرِ (پ۴،ال عمرٰن:۱۰۴)
اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو بھلائی کی طرف بلائے۔

ان جیسی آیات میں دعا کے معنی بلانے کے ہیں۔رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَةً (پ۸،الاعراف:۵۵)
اپنے رب سے عاجزی سے خفیہ طور پر دعا مانگو۔

﴿۲﴾ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ۝ (پ۱۳،ابراهیم:۳۹)
بے شک میرا رب دعا کا سننے والا ہے۔

﴿۳﴾ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ۝ (پ۱۳،ابراهیم:۴۰)
اے ہمارے رب میری دعا سن لے۔

﴿۴﴾ فَاِذَا رَكِبُوْا فِی الْفُلْکِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ (پ ۲۱،العنکبوت:۶۵)

جب وہ کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو خدا سے دعا مانگتے ہیں دین کو اس کیلئے خالص کر کے۔

﴿۵﴾ وَلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِکَ رَبِّ شَقِیًّا○ (پ ۱۶،مریم:۴)

اے میرے رب میں تجھ سے دعا مانگنے میں کبھی نامراد نہ رہا۔

﴿۶﴾ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (پ ۲،البقرة:۱۸۶)

میں دعا مانگنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں جب مجھ سے دعا کرتا ہے۔

﴿۷﴾ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ○ (پ ۱۳،الرعد:۱۴)

اور نہیں ہے کافروں کی دعا مگر بربادی میں۔

﴿۸﴾ هُنَالِکَ دَعَا زَكَرِیَّا رَبَّهٗ (پ ۳،ال عمرٰن:۳۸)

وہاں زکریا نے اپنے رب سے دعا کی۔

ان جیسی تمام آیات میں دعا کے معنی دعا مانگنا ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ○ (پ ۲۴،حٰمٓ السجدة:۳۱)

اور تمہارے لئے جنت میں وہ ہوگا جو تمہارے دل چاہیں اور تمہارے لئے وہاں وہ ہوگا جس کی تم تمنا کرو۔

اس آیت میں دعا بمعنی آرزو کرنا، چاہنا، خواہش کرنا ہے۔

﴿۱﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ (پ ۹،الاعراف:۱۹۴)

جنہیں تم خدا کے سوا پوجتے ہو وہ تم جیسے بندے ہیں۔

﴿۲﴾وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًاO (پ۲۹،الجن:۱۸)

بے شک مسجدیں اللہ کی ہیں تو اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پوجو۔

﴿۳﴾وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗۤ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ (پ۲۶،الاحقاف:۵)

اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو خدا کے سوا ایسوں کو پوجتا ہے جو اس کی عبادت قبول نہ کرے قیامت تک۔

﴿۴﴾ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَیْــٴًـا (پ۲۴،المؤمن:۷۴)

کافر کہیں گے کہ وہ غائب ہو گئے ہم سے بلکہ ہم اس سے پہلے کسی چیز کو نہ پوجتے تھے۔

﴿۵﴾وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْــٴًـا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَO اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ (پ۱۴،النحل:۲۰،۲۱)

اور وہ جن کی یہ مشرکین پوجا کرتے ہیں اللہ کے سوا وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے بلکہ وہ پیدا کئے جاتے ہیں یہ مردے ہیں زندہ نہیں۔

﴿۶﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِیْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ (پ۱۴،النحل:۸۶)

اور جب مشرکین اپنے معبودوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے اے رب ہمارے یہ ہمارے وہ معبود ہیں جنہیں ہم تیرے سوا پوجا کرتے تھے۔

ان جیسی تمام وہ آیات جن میں غیر خدا کی دعا کو شرک وکفر کہا گیا یا اس پر جھڑکا گیا ان سب میں دعا کے معنی عبادت (پوجا) ہے اور یدعون کے معنی ہیں وہ پوجتے ہیں اس کی تفسیر قرآن کی ان آیتوں نے کی ہے جہاں دعا کے ساتھ عبادت یا الٰہ کا لفظ آ گیا ہے، فرماتا ہے:

﴿۱﴾ هُوَ الۡحَیُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادۡعُوۡهُ مُخۡلِصِیۡنَ لَهُ الدِّیۡنَ ؕ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝ قُلۡ اِنِّیۡ نُهِیۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ (پ ۲٤، المؤمن: ٦٦)

وہی زندہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو اسے پوجو۔ اس کے لئے دین کو خالص کر کے سب خوبیاں اللہ رب العالمین کیلئے ہیں تم فرماؤ میں منع کیا گیا ہوں کہ انہیں پوجوں جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔

اس آیت میں لَاۤ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ اور اَنۡ اَعۡبُدَ نے صاف بتا دیا کہ یہاں دعا سے پوجنا مراد ہے نہ کہ پکارنا۔

﴿۲﴾ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَكُمۡ ؕ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَسۡتَكۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِیۡ سَیَدۡخُلُوۡنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِیۡنَ ۝ (پ ۲٤، المؤمن: ٦٠)

اور تمہارے رب نے فرمایا کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا بیشک وہ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہو کر دوزخ میں جائیں گے

یہاں دعا سے مراد دعا مانگنا ہے اور دعا بھی عبادت ہے اس لئے ساتھ ہی عبادت کا ذکر ہوا فقط پکارنا مراد نہیں۔

﴿۳﴾ وَمَنۡ اَضَلُّ مِمَّنۡ یَّدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَنۡ لَّا یَسۡتَجِیۡبُ لَهٗۤ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَةِ وَهُمۡ عَنۡ دُعَآئِهِمۡ غٰفِلُوۡنَ ۝ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوۡا لَهُمۡ اَعۡدَآءً وَّكَانُوۡا بِعِبَادَتِهِمۡ كٰفِرِیۡنَ ۝ (پ ۲٦، الاحقاف: ۵۔٦)

اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو خدا کے سوا اس کی پوجا کرتا ہے جو قیامت تک اس کی نہ سنیں اور جب لوگوں کا حشر ہوگا تو یہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت سے منکر ہو جاویں گے۔

یہاں بھی دعا سے مراد پکارنا نہیں بلکہ پوجنا یعنی معبود سمجھ کر پکارنا مراد ہے کیونکہ ساتھ ہی ان کے اس فعل کو عبادت کہا گیا ہے۔ان آیات نے ان تمام کی شرح کردی جہاں غیر خدا کی دعا کو شرک فرمایا گیا اور بتا دیا کہ وہاں دعا سے مراد پوجنا یا دعا مانگنا ہے اور دعا بھی عبادت ہے اگر غیر خدا کو پکارنا شرک ہوتا تو جن آیتوں میں پکارنے کا حکم دیا گیا۔ان سے ان آیات کا تعارض ہو جاتا۔پکارنے کی آیات ہم نے ابھی پیش کر دیں اس لئے عام مفسرین ان ممانعت کی آیتوں میں دعا کے معنی عبادت کرتے ہیں ان کی یہ تفسیر قرآن کی ان آیتوں سے حاصل ہے۔

اعتراض: دعا کے معنی کسی لغت میں عبادت نہیں دعا کے معنی بلانا، ندا کرنا عام لغت میں مذکور ہیں لہٰذا ان تمام آیتوں میں اس کے معنی پکارنا ہی ہیں (جواہر القرآن)

جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ دعا کے لغوی معنی پکارنا ہیں اور اصطلاحی معنی عبادت ہیں۔قرآن میں یہ لفظ دونوں معنوں میں استعمال ہوا جہاں دعا کی اجازت ہے وہاں لغوی پکارنا مراد ہیں اور جہاں غیر خدا کی دعا سے ممانعت ہے وہاں عرفی معنی پوجنا مراد ہیں۔جیسے لغت میں صلوۃ کے معنی دعا ہیں اور عرفی معنی نماز۔قرآن میں اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ میں صلٰوۃ سے مراد نماز ہے اور صَلِّ عَلَیۡھِمۡ اور صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا میں صلٰوۃ سے مراد دعا ہے۔تمہارا اعتراض ایسا ہے جیسے کوئی نماز کا انکار کر دے اور کہے قرآن میں جہاں بھی صلٰوۃ آیا ہے وہاں دعا مراد ہے کیونکہ یہی اس کے لغوی معنی ہیں ایسے ہی طواف کے لغوی معنی گھومنا ہیں اور اصطلاحی معنی ایک خاص عبادت ہیں قرآن میں یہ لفظ دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

دوسرے یہ کہ واقعی دعا کے معنی پکارنا ہیں مگر پکارنے کی بہت سی نوعیتیں ہیں جن میں سے کسی کو خدا سمجھ کر پکارنا عبادت ہے، ممانعت کی آیات میں یہی مراد ہے یعنی کسی کو خدا سمجھ کر نہ پکارے۔اس کی تصریح قرآن کی اس آیت نے فرمادی:

وَمَنْ یَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لا لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ (پ۱۸،المؤمنون:۱۱۷)

اور جو خدا کے ساتھ دوسرے خدا کو پکارے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب رب کے پاس ہے۔

اس آیت نے خوب صاف فرمادیا کہ پکارنے سے خدا سمجھ کر پکارنا مراد ہے۔

اعتراض: ان ممانعت کی آیتوں میں پکارنا ہی مراد ہے مگر کسی کو دور سے پکارنا مراد ہے یہ سمجھ کر کہ وہ سن رہا ہے یہ ہی شرک ہے۔(جواہر القرآن)

جواب: یہ بالکل غلط ہے۔قرآن کی ان آیتوں میں دور نزدیک کا ذکر نہیں۔یہ قید آپ نے اپنے گھر سے لگائی ہے نیز یہ قید خود قرآن کی اپنی تفسیر کے بھی خلاف ہے لہٰذا مردود ہے نیز اگر دور سے پکارنا شرک ہو تو سب مشرک ہو جائیں گے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ سے حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پکارا حالانکہ وہ نہاوند میں تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ بنا کر تمام دور کے لوگوں کو پکارا اور تمام روحوں نے جو قیامت تک پیدا ہونیوالی تھیں انہوں نے سن لیا جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔آج نمازی حضور علیہ السلام کو پکارتا ہے: اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ اے نبی! علیہ الصلوۃ والسلام آپ پر سلام ہو۔اگر یہ شرک ہوجاوے تو ہر نمازی کی نماز تو پیچھے ختم ہوا کرے ایمان پہلے ختم ہوجاوے آج ریڈیو کے ذریعہ دور سے لوگوں کو پکارتے ہیں اور وہ سن لیتے ہیں اگر کہا جائے کہ ریڈیو کی بجلی کی طاقت ایک سبب ہے اور سبب کے ماتحت دور

سے سننا شرک نہیں تو ہم بھی کہیں گے کہ نبوت کے نور کی طاقت ایک سبب ہے اور سبب کے ماتحت سننا شرک نہیں غرضیکہ یہ اعتراض نہایت ہی لغو ہے۔

اعتراض: ممانعت کی آیتوں میں مردوں کو پکارنا مراد ہے یعنی مرے ہوئے کو پکارنا یہ سمجھ کر کہ وہ سن رہا ہے شرک ہے۔ (جواہر القرآن)

جواب: یہ بھی غلط ہے چندوجہ سے ایک یہ کہ یہ قید تمہارے گھر کی ہے قرآن میں نہیں آئی۔ رب تعالیٰ نے مردہ، زندہ، غائب، حاضر، دور نزدیک کی قید لگا کر ممانعت نہ فرمائی۔ لہٰذا یہ قید باطل ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ تفسیر خود قرآن کی تفسیر کے خلاف ہے۔ اس نے فرمایا کہ دعا سے مراد عبادت ہے۔ تیسرے یہ کہ اگر مردوں کو پکارنا شرک ہو تو ہر نمازی نماز میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو پکارتا ہے: **اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ** اے نبی! علیہ الصلوۃ والسلام آپ پر سلام ہو، حالانکہ حضور وفات پاچکے ہیں ہم کو حکم ہے کہ قبرستان جا کر یوں سلام کریں: **اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ دَارَ قَوْمٍ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ**، اے مسلمانوں کے گھر والو! تم پر سلام ہو۔

ابراھیم علیہ السلام نے ذبح کی ہوئی چڑیوں کو پکارا اور انہوں نے سن لیا۔ رب تعالیٰ نے فرمایا:

ثُمَّ ادْعُھُنَّ یَاْتِیْنَکَ سَعْیًا پھر ان مرے ہوئے پرندوں کو پکارو وہ دوڑتے ہوئے تم تک آجائیں گے۔ (پ۳، البقرۃ: ۲۶۰)

حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کو ان کی ہلاکت کے بعد پکارا، صالح علیہ السلام کا قصہ سورۂ اعراف میں اس طرح بیان ہوا:

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَo فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَo

(پ۸،الاعراف:۷۸۔۷۹)

تو انہیں زلزلے نے پکڑلیا تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے تو صالح نے ان سے منہ پھیرا اور کہا اے میری قوم بے شک میں نے تم تک اپنے رب کا پیغام پہنچادیا اور تمہارا بھلا چاہا مگرتم خیرخواہوں کو پسند نہیں کرتے۔

شعیب علیہ السلام کا واقعہ اسی سورۂ اعراف میں کچھ آگے یوں بیان فرمایا:

فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ج فَكَیْفَ اٰسٰی عَلٰی قَوْمٍ كٰفِرِیْنَo (پ۹،الاعراف:۹۳)

شعیب نے ہلاکت کفار کے بعد ان سے منہ پھیرا اور کہا اے میری قوم! میں نے تجھے اپنے رب کے پیغام پہنچا دیئے اور تمہاری خیرخواہی کی تو میں کافر قوم پر کیسے غم کروں؟

ان دونوں آیتوں میں فَتَوَلّٰی کی ف سے معلوم ہوا کہ ان دونوں پیغمبروں علیہما الصلوۃ والسلام کا یہ خطاب قوم کی ہلاکت کے بعد تھا۔ خود ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بدر کے دن مرے ہوئے ابوجہل، ابولہب، امیہ ابن خلف وغیرہ کفار سے پکار کر فرمایا اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عرض کرنے پر فرمایا کہ تم ان مردوں سے زیادہ نہیں سنتے۔(صحیح البخاری، کتاب الجنائز،باب ماجاء فی عذاب القبر، الحدیث ۱۳۷۰،ج۱،ص۴۶۲،دار الکتب العلمیة)

کہیے! اگر قرآن کے فتوے سے مردوں کو پکارنا شرک ہے تو ان انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے اس پکارنے کا کیا جواب دوگے۔ غرضیکہ یہ اعتراض محض باطل ہے۔

اعتراض: کسی کو دور سے حاجت روائی کے لئے پکارنا شرک ہے اور ممانعت کی آیتوں میں یہی مراد ہے لہٰذا اگر کسی نبی ولی کو دور سے یہ سمجھ کر پکارا گیا کہ وہ ہمارے حاجت روا ہیں تو شرک ہوگیا۔ (جواہر القرآن)

جواب: یہ اعتراض بھی غلط ہے۔ اولاً تو اس لئے کہ قرآن کی ممانعت والی آیتوں میں یہ قید نہیں تم نے اپنے گھر سے لگائی ہے۔ لہٰذا معتبر نہیں۔ دوسرے اس لئے کہ یہ تفسیر خود قرآن کی اپنی تفسیر کے خلاف ہے جیسا کہ ہم نے بیان کر دیا۔ تیسرے اس لئے کہ ہم نے بتا دیا کہ اللہ کے بندے دور سے سنتے ہیں خواہ نور نبوت سے یا نور ولایت سے۔ دوسرے باب میں ہم عرض کریں گے کہ قرآن کہہ رہا ہے کہ اللہ کے بندے حاجت روا، مشکل کشا بھی ہیں۔ جب یہ دونوں باتیں علیحدہ علیحدہ صحیح ہیں تو ان کا مجموعہ شرک کیونکر ہوسکتا ہے۔ قرآن فرما رہا ہے کہ اللہ کے بندے وفات کے بعد سن بھی لیتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں جو خاص خاص کو محسوس ہوتا ہے۔ رب فرماتا ہے:

وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رُّسُلِنَآ ق اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً یُّعْبَدُوْنَ○ (پ ۲۵، الزخرف: ۴۵)

اے حبیب ان رسولوں سے پوچھو جو ہم نے آپ سے پہلے بھیجے کیا ہم نے خدا کے سوا ایسے معبود بنائے ہیں جن کی عبادت کی جاوے۔

غور کرو کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں انبیاء سابقین علیہم الصلوۃ والسلام وفات پاچکے تھے۔ مگر رب تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اے محبوب! ان وفات یافتہ رسولوں سے پوچھ لو کہ کیا کوئی خدا کے سوا اور معبود ہے اور پوچھا اس سے جاتا ہے جو سن بھی لے اور جواب بھی دے۔ پتا لگا کہ اللہ کے بندے بعد وفات سنتے اور بولتے ہیں معراج کی رات سارے وفات یافتہ رسولوں نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے پیچھے نماز پڑھی۔ حجۃ

الوداع کے موقعہ پر وفات یافتہ رسولوں نے حج میں شرکت کی اور حج ادا کیا۔اس بارے میں بہت سی صحیح احادیث موجود ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ دعا قرآن کریم میں بہت سے معنوں میں استعمال ہوا ہے ہرجگہ اس کے وہ معنی کرنا چاہئیں جو وہاں کے مناسب ہیں۔جن وہابیوں نے ہرجگہ اس کے معنی پکارنا کئے ہیں وہ ایسے فحش غلط ہیں جس سے قرآنی مقصد فوت ہی نہیں بلکہ بدل جاتا ہے۔اسی لئے وہابیوں کو اس پکارنے میں بہت سی قیدیں لگانی پڑتی ہیں کبھی کہتے ہیں غائب کو پکارنا،کبھی کہتے ہیں مردہ کو پکارنا،کبھی کہتے ہیں دور سے سنانے کیلئے پکارنا،کبھی کہتے ہیں مافوق الاسباب سنانے کے لئے دور سے پکارنا شرک ہے مگر پھر بھی نہیں مانتے پھر تعجب ہے کہ جب کسی کو پکارنا عبادت ہوا تو عبادت کسی کی بھی کی جائے شرک ہے،زندہ کی یا مردہ کی،قریب کی یا دور کی پھر یہ قیدیں بے کار ہیں۔ غرضکہ یہ معنی نہایت ہی غلط ہیں۔ان جگہوں میں دعا سے مراد پوجنا ہے۔اس معنی پر نہ کسی قید کی ضرورت ہے نہ کوئی دشواری پیش آسکتی ہے۔

نوٹ ضروری: اللہ کے پیارے وفات کے بعد زندوں کی مدد کرتے ہیں۔

قرآن شریف سے ثابت ہے۔رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ (پ۳،اٰل عمرٰن:۸۱)	یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جو میں تمہیں کتاب وحکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول جو تمہاری کتابوں کی تصدیق کرے تو تم اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔

اس آیت سے پتا لگا کہ میثاق کے دن رب تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام سے دو وعدے لئے۔ایک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا، دوسرے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کرنا۔اور رب تعالیٰ جانتا تھا کہ نبی آخرالزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان میں سے کسی کی زندگی میں نہ تشریف لائینگے پھر بھی انہیں ایمان لانے اور مدد کرنے کا حکم دیا معلوم ہوا کہ روحانی ایمان اور روحانی مدد مراد ہے اور انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام نے دونوں وعدوں کو پورا کیا کہ معراج کی رات سب نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے پیچھے نماز پڑھی یہ ایمان کا ثبوت ہے۔ بہت سے پیغمبروں نے حج الوداع میں شرکت کی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شب معراج دین مصطفیٰ کی اس طرح مدد کی کہ پچاس نمازوں کی پانچ کرادیں۔اب بھی وہ حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام مسلمانوں کی اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے دین کی روحانی مدد فرمارہے ہیں اگر یہ مدد نہ ہوا کرتی تو یہ عہد لغو ہوتا عیسی علیہ السلام آخر زمانہ میں اس عہد کو ظاہر طور پر بھی پورا فرمانے کے لئے تشریف لائیں گے۔

عبادت

قرآن شریف کی اصطلاحوں میں عبادت بھی بہت اہم اور نازک اصطلاح ہے۔کیونکہ یہ لفظ قرآن شریف میں بہت کثرت سے آیا ہے اور اس کے معنے میں نہایت باریکی ہے۔اطاعت،تعظیم،عبادت ان تینوں میں نہایت لطیف فرق ہے بعض لوگ اس نازک فرق کا اعتبار نہیں کرتے ۔ ہر تعظیم کو بلکہ ہر اطاعت کو عبادت کہہ کر سارے مسلمانوں بلکہ اپنے بزرگوں کو بھی مشرک وکافر کہہ دیتے ہیں۔اس لئے اس کا مفہوم،اس کا مقصود،بہت غور سے سنیئے ۔

عبادت عبدٌ سے بنا ہے بمعنی بندہ، عبادت کے لغوی معنی ہیں بندہ بننا یا اپنی بندگی کا اظہار کرنا جس سے لازم آتا ہے معبود کی الوہیت کا اقرار کرنا مفسرین نے اس کی تعریف انتہائی تعظیم بھی کی ہے اور انتہائی عاجزی بھی۔ دونوں تعریفیں درست ہیں کیونکہ عابد کی انتہائی عاجزی سے معبود کی انتہائی تعظیم لازم ہے اور معبود کی انتہائی تعظیم سے عابد کی انتہائی عاجزی مستلزم۔ انتہائی تعظیم کی حد یہ ہے کہ معبود کی وہ تعظیم کی جاوے جس سے زیادہ تعظیم ناممکن ہو اور اپنی ایسی عاجزی کی جاوے جس سے نیچے کوئی درجہ متصور نہ ہو اس لئے عبادت کی شرط یہ ہے کہ بندگی کرنیوالا معبود کو الٰہ اور اپنے کو اس کا بندہ سمجھے یہ سمجھ کر جو تعظیم بھی اس کی کرے گا عبادت ہوگی۔ اگر اسے الٰہ نہیں سمجھتا۔ بلکہ نبی، ولی، باپ، استاد، پیر، حاکم، بادشاہ سمجھ کر تعظیم کرے تو اس کا نام اطاعت ہوگا۔ توقیر، تعظیم، تبجیل ہوگا، عبادت نہ ہوگا غرضیکہ اطاعت و تعظیم تو اللہ تعالیٰ اور بندوں سب کی ہوسکتی ہے لیکن عبادت اللہ تعالیٰ ہی کی ہوسکتی ہے بندے کی نہیں اگر بندے کی عبادت کی تو شرک ہوگیا اور اگر بندے کی تعظیم کی تو جیسا بندہ ویسا اس کی تعظیم کا حکم۔ کوئی تعظیم کفر ہے، جیسے گنگا جمنا، ہولی، دیوالی کی تعظیم۔ کوئی تعظیم ایمان ہے جیسے پیغمبر کی تعظیم، کوئی تعظیم ثواب ہے، کوئی گناہ۔ اسی لئے قرآن کریم میں عبادت کے ساتھ ہمیشہ اللہ تعالیٰ یا رب یا الٰہ کا ذکر ہے اور اطاعت و تعظیم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا بھی ذکر ہے اور نبی کا بھی، ماں باپ کا بھی حاکم کا بھی فرماتا ہے:

﴿۱﴾ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا (پ۱۵، بنیۤ اسرآءیل:۲۳)	آپ کے رب نے فیصلہ فرمادیا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔

﴿۲﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ (پ۷، المائدۃ:۱۱۷)

نہیں کہا تھا میں نے ان سے مگر وہ ہی جس کا تو نے مجھے حکم دیا کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے۔

﴿۳﴾ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ (پ۱، البقرۃ:۲۱)

اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا۔

﴿۴﴾ نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ (پ۱، البقرۃ:۱۳۳)

ہم عبادت کرینگے آپ کے الٰہ کی اور آپ کے باپ دادوں ابراہیم، اسمٰعیل اور اسحٰق کے الٰہ کی۔ علیہم السلام

﴿۵﴾ قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ (پ۳۰، الکافرون:۱۔۲)

فرما دو اے کافرو جن کی تم پوجا کرتے ہو ان کی پوجا میں نہیں کرتا۔

ان جیسی ساری عبادت کی آیتوں میں صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوگا لیکن اطاعت و تعظیم میں سب کا ذکر ہوگا۔

﴿۱﴾ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ (پ۵، النسآء:۵۹)

اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے میں سے حکم والوں کی۔

﴿۲﴾ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (پ۵، النسآء:۸۰)

جس نے رسول کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی۔

﴿۳﴾ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ (پ۲۶، الفتح:۹)

نبی کی مدد کرو اور ان کی تعظیم و توقیر کرو۔

﴿۴﴾ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ (پ۹، الاعراف:۱۵۷)

پس جو ایمان لائے نبی پر اور تعظیم کی ان کی اور مدد کی۔

﴿۵﴾ وَمَنۡ یُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّہَا مِنۡ تَقۡوَی الۡقُلُوۡبِ ○ (پ۱۷،الحج:۳۲)
اور جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو یہ دلی پرہیزگاری ہے۔

غرضیکہ تعظیم واطاعت بندے کی بھی ہوسکتی ہے لیکن عبادت صرف اللہ کی جب عبادت میں یہ شرط ہے کہ الٰہ جان کر کسی کی تعظیم کرنا تو یہ بھی سمجھ لو کہ الٰہ کون ہے اس کی پوری تحقیق ہم الٰہ کی بحث میں کرچکے کہ الٰہ وہ ہے جسے خالق مانا جائے یا خالق کے برابر۔ برابری خواہ خدا کی اولاد مان کر ہو یا اس طرح مستقل مالک، حاکم، حی، قیوم مان کر یا اللہ تعالیٰ کو اس کا حاجت مند مان کر ہو۔ ایک ہی کام اس عقیدے سے ہو تو عبادت ہے اور اس عقیدے کے بغیر ہو تو عبادت نہیں۔

دیکھو رب تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو:

﴿۱﴾ فَاِذَا سَوَّیۡتُہٗ وَنَفَخۡتُ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَہٗ سٰجِدِیۡنَ ○ (پ۱۴،الحجر:۲۹)
پس جب میں انہیں برابر کردوں اور ان میں اپنی روح پھونک دوں تو تم ان کیلئے سجدہ میں گر جاؤ۔

﴿۲﴾ وَرَفَعَ اَبَوَیۡہِ عَلَی الۡعَرۡشِ وَ خَرُّوۡا لَہٗ سُجَّدًا (پ۱۳،یوسف:۱۰۰)
اور یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو تخت پر اٹھالیا اور وہ سب ان کے سامنے سجدے میں گر گئے۔

ان آیتوں سے پتا لگا کہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے انہیں سجدہ کیا اور بھی امتوں میں سجدہ کا رواج تھا کہ چھوٹے بڑوں کو سجدہ کرتے تھے پھر یہ بھی فرمایا:

﴿۳﴾ لَا تَسۡجُدُوۡا لِلشَّمۡسِ وَلَا لِلۡقَمَرِ وَاسۡجُدُوۡا لِلّٰهِ

سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو۔اور اللہ کو سجدہ کرو۔

(پ ٢٤، حٰمٓ السجدة:٣٧)

اس قسم کی بہت آیتوں میں سجدہ کرنے کو منع فرمایا گیا بلکہ اسے کفر قرار دیا۔ پچھلی آیتوں میں سجدہ تعظیمی مراد ہے اور ان آیتوں میں سجدہ تعبدی مراد ہے۔ بندوں کو تعبدی سجدہ نہ اس سے پہلے کسی دین میں جائز تھا نہ ہمارے اسلام میں جائز، ہمیشہ سے یہ شرک ہے سجدہ تعظیمی پہلے دینوں میں جائز تھا ہمارے اسلام میں حرام، لہٰذا کسی کو سجدہ تعظیمی کرنا اب حرام ہے شرک نہیں۔ لیکن سجدہ تعبدی کرنا شرک ہے۔ ایک ہی کام الوہیت کے عقیدے سے شرک ہے اور بغیر عقیدۂ الوہیت شرک نہیں مسلمان سنگ اسود، مقام ابراہیم، آب زمزم کی تعظیم کرتے ہیں مشرک نہیں مگر ہندو بت یا گنگا جل کی تعظیم کرے تو مشرک ہے کیونکہ مومن کا عقیدہ ان چیزوں کی الوہیت کا نہیں اور کفار کا عقیدہ الوہیت کا ہے۔

عبادت کی قسمیں

عبادت بہت طرح کی ہے۔ جانی، مالی، بدنی، وقتی وغیرہ مگر اس کی قسمیں دو ہیں۔ ایک وہ جس کا تعلق براہ راست رب تعالیٰ سے ہو کسی بندے سے نہ ہو، جیسے نماز، روزہ، حج، زکوۃ، جہاد وغیرہ کہ بندہ ان کاموں سے صرف رب تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت کرتا ہے بندے کی رضا کا اس میں دخل نہیں۔ دوسرے وہ جن کا تعلق بندے سے بھی ہے اور رب تعالیٰ سے بھی یعنی جن بندوں کی اطاعت کا رب تعالیٰ نے حکم دیا ہے

ان کی اطاعت خدا کو راضی کرنے کے لئے رب کی عبادت ہے ۔ جیسے والدین کی فرمانبرداری، مرشد استاد کی خوشی، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف، اہل قرابت کے حقوق کی ادائیگی غرضیکہ کوئی جائز کام ہو۔ اگر اس میں رب تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت کرلی جائے تو وہ رب تعالیٰ کی عبادت بن جاتے ہیں اور ان پر ثواب ملتا ہے حتی کہ جو اپنے بیوی بچوں کو کما کر اس لئے کھلائے کہ یہ سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے، رب تعالیٰ اس سے راضی ہوتا ہے تو کمانا بھی عبادت ہے اور جو خدا کا رزق اس لئے کھائے کہ رب تعالیٰ کا حکم ہے کُلُوْا وَاشْرَبُوْا ، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے، اداءِ فرض کا ذریعہ ہے تو کھانا بھی عبادت ہے۔ اسی لئے مجاہد فی سبیل اللہ غازی کا کھانا، پینا، سونا، جاگنا عبادت ہے بلکہ ان کے گھوڑوں کی رفتار بھی عبادت ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًاO (پ ۳۰، العٰدیٰت: ۱) قسم ہے ان گھوڑوں کی جو دوڑتے ہیں سینے کی آواز نکالتے۔

فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًاO (پ ۳۰، العٰدیٰت: ۲) پھر سم مار کر پتھروں سے آگ نکالتے ہیں۔

فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًاO (پ ۳۰، العٰدیٰت: ۳) پھر صبح ہوتے ہی کفار کو تاخت وتاراج کرتے ہیں۔

لٰہذا ماں باپ کو راضی کرنا۔ ان کی اطاعت کرنا، رب تعالیٰ کی عبادت ہے، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر جان و مال قربان کرنا اس سرکار کی اطاعت ہے اور رب تعالیٰ کی عبادت بلکہ اعلیٰ ترین عبادت ہے۔ موجودہ وہابی اس الوہیت کی قید سے بے خبر رہ کر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کو شرک کہہ دیتے ہیں ان کے ہاں محفل میلاد

شریف شرک، قبروں پر جانا شرک، عید کو سویاں پکانا شرک، نعلین کو بوسہ دینا شرک، گویا قدم قدم پر شرک ہے اور ساری مشرکین و کفار کی آیات مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔

اعتراض: کسی کو حاجت روا مشکل کشا سمجھ کر اس کی تعظیم کرنا عبادت ہے اور اس کے سامنے جھکنا بندگی ہے۔ (جواہر القرآن۔تقویۃ الایمان)

جواب: یہ غلط ہے ہم حکام وقت کی تعظیم کرتے ہیں یہ سمجھ کر کہ بہت سی مشکلات میں ان کے پاس جانا پڑتا ہے کیا یہ عبادت ہے؟ ہرگز نہیں حکیم، استاد کی تعظیم کی جاتی ہے کہ ان سے کام نکلتے رہتے ہیں۔ یہ عبادت نہیں۔

اعتراض: کسی کو مافوق الاسباب متصرف مان کر اس کی تعظیم کرنا عبادت ہے اور یہ ہی شرک ہے۔

جواب: یہ بھی غلط ہے فرشتے مافوق الاسباب تصرف کرتے ہیں۔ یہ جان نکالتے ہیں ماں کے پیٹ میں بچے بناتے ہیں بارش برساتے ہیں عذاب الٰہی لاتے ہیں۔ یہ سمجھ کر فرشتوں کی تعظیم کرنا ان کی عبادت ہے؟ نہیں۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انگلیوں سے پانی کے چشمے باذن اللہ جاری کر دیئے۔ چاند پھاڑ ڈالا۔ ڈوبا سورج واپس بلالیا، کنکروں، پتھروں سے کلمہ پڑھوایا۔ درختوں، جانوروں سے اپنی گواہی دلوائی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے باذن اللہ مردے زندہ کئے۔ اندھے، کوڑھی اچھے کئے یہ سارے کام مافوق الاسباب کئے۔ اس لئے ان کی تعظیم کرنا عبادت ہے۔ ہرگز نہیں کیونکہ انہیں خدا کے برابر کوئی نہیں مانتا۔ خدا کے برابر ماننا ہی عبادت کے لئے شرط اول ہے۔ یہ سب اللہ کے بندے اللہ کے اذن وارادے سے کرتے ہیں۔ اسی لئے حضرت صالح و

حضرت ہود، حضرت شعیب، حضرت نوح اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی قوم کو پہلی تبلیغ یہ ہی فرمائی:

یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰـهٍ غَيۡرُهٗ (پ۸،الاعراف:۵۹) اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔

یعنی میری اطاعت کرنا، تعظیم کرنا، توقیر بجالانا، مجھے تمام قوم سے افضل سمجھنا لیکن مجھے خدا یا خدا کی اولاد، خدا کے برابر یا خدا کو میرا محتاج نہ سمجھنا اور ایسا عقیدہ رکھ کر میری تعظیم نہ کرنا کیونکہ اس عقیدے سے کسی کی تعظیم وتوقیر عبادت ہے اور عبادت خدا کے سوا کسی کی درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف کی سچی سمجھ عطا فرمائے۔ اس میں بہت بڑے لوگ ٹھوکریں کھا جاتے ہیں۔

من دون اللہ

قرآن شریف میں یہ لفظ بہت زیادہ استعمال ہوا ہے۔ عبادت کے ساتھ بھی آیا ہے۔ تصرف اور مدد کے ساتھ بھی، ولی اور نصیر کے ساتھ بھی۔ شہید اور وکیل کے ساتھ بھی شفیع کے ساتھ بھی۔ ہدایت، ضلالت کے ساتھ بھی جیسے کہ قرآن کی تلاوت کرنے والوں پر مخفی نہیں اور ہم بھی ہر طرح کی آیات گزشتہ مضامین میں پیش کر چکے ہیں۔

اس لفظ دون کے معنی سواء اور علاوہ ہیں، مگر یہ معنی قرآن کی ہر آیت میں درست نہیں ہوتے۔ اگر ہر جگہ اس کے معنی سواء کئے جائیں تو کہیں تو آیات میں سخت تعارض ہوگا اور کہیں قرآن میں صراحۃً جھوٹ لازم آئے گا جس کے دفع کے لئے سخت دشواری ہوگی قرآن کریم میں تامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ تین معنی میں

استعمال ہوا ہے۔

﴿۱﴾ سواء، علاوہ ﴿۲﴾ مقابل ﴿۳﴾ اللہ کو چھوڑ کر۔ جہاں من دون اللہ عبادت کے ساتھ ہو یا ان الفاظ کے ہمراہ آوے جو عبادت یا معبود کے معنی میں استعمال ہوئے ہوں تو اس کے معنی سواء ہوں گے کیونکہ خدا کے سواء کسی کی عبادت نہیں ہوسکتی، جیسے اس آیت میں۔

﴿۱﴾ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰـهِ وَلٰـكِنْ اَعْبُدُاللّٰهَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ (پ ۱۱، یونس: ۱۰۴) پس نہیں پوجتا میں انہیں جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا اور لیکن میں تو اس اللہ کو پوجوں گا جو تمہیں موت دیتا ہے۔

﴿۲﴾ وَیَـعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُهُمْ وَلَا یَضُرُّهُمْ (پ ۱۹، الفرقان: ۵۵) اور پوجتے ہیں وہ کافر اللہ کے سواء انہیں جو نہ انہیں نفع دیں نہ نقصان۔

﴿۳﴾ اُحْشُـرُوا الَّـذِیْـنَ ظَـلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (پ ۲۳، الصّٰفّٰت: ۲۲، ۲۳) جمع کرو ظالموں کو اور ان کی بیویوں کو اور ان کو جن کی پوجا کرتے تھے یہ اللہ کے سواء۔

اس جیسی بہت سی آیات میں مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کے معنی اللہ کے سواء ہیں کیونکہ یہ عبادت کے ساتھ آئے ہیں اور عبادت غیر اللہ کسی کی بھی نہیں ہوسکتی۔

﴿۴﴾ قُلْ اَرَءَیْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّـذِیْـنَ تَـدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰـهِ ؕ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا (پ ۲۲، فاطر: ۴۰) فرماؤ کہ تم بتاؤ کہ تمہارے وہ شرکاء جن کی تم پوجا کرتے ہو خدا کے سواء مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے کیا پیدا کیا۔

﴿۵﴾ وَادۡعُوۡا شُهَدَآءَ کُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ○ (پ ۱، البقرة:۲۳)

اور بلا لو اپنے معبودوں کو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔

﴿۶﴾ اَفَحَسِبَ الَّذِيۡنَ کَفَرُوۡٓا اَنۡ يَّتَّخِذُوۡا عِبَادِيۡ مِنۡ دُوۡنِيۡۤ اَوۡلِيَآءَ (پ ۱۶، الکھف:۱۰۲)

تو کافروں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ میرے بندوں کو میرے سوا معبود بنائیں۔

ان جیسی آیات میں چونکہ دون کا لفظ تدعون اور اولیاء کے ساتھ آیا ہے اور یہاں تدعون کے معنی عبادت ہیں اور اولیاء کے معنی معبود لہٰذا یہاں بھی دون بمعنی علاوہ اور سوا ہوگا۔ لیکن جہاں "دون" مدد یا نصرت یا دوستی کے ساتھ آوے گا تو وہاں اس کے معنی صرف سواء کے نہ ہوں گے۔ بلکہ اللہ کے مقابل یا اللہ کو چھوڑ کر ہوں گے یعنی اللہ کے سواء اللہ کے دشمن۔ اس تفسیر اور معنی میں کوئی دشواری نہ ہوگی جیسے

﴿۱﴾ اَلَّا تَتَّخِذُوۡا مِنۡ دُوۡنِيۡ وَکِيۡلًا ○ (پ ۱۵، بنیۤ اسرآءیل:۲)

کہ میرے مقابل کسی کو وکیل نہ بناؤ۔

﴿۲﴾ اَمِ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ (پ ۲۴، الزمر:۴۳)

کیا ان لوگوں نے اللہ کے مقابل کچھ سفارشی بنا رکھے ہیں۔

﴿۳﴾ وَمَا لَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ○ (پ ۱، البقرة:۱۰۷)

اور اللہ کے مقابل نہ تمہارا کوئی دوست ہے اور نہ مددگار۔

﴿۴﴾ وَلَا يَجِدُوۡنَ لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيۡرًا ○ (پ ۶، النسآء:۱۷۳)

اور وہ اللہ کے مقابل اپنا نہ کوئی دوست پائینگے اور نہ مددگار۔

﴿۵﴾لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ (پ۳،اٰل عمرٰن:۲۸)

مومن مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں۔

﴿۶﴾وَمَنْ یَّتَّخِذِ الشَّیْطٰنَ وَلِیًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِیْنًا○ (پ۵،النسآء:۱۱۹)

اور جو شیطان کو دوست بنائے خدا کو چھوڑ کر وہ کھلے ہوئے گھاٹے میں پڑ گیا۔

﴿۷﴾وَمَا کَانَ لَھُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ اَوْلِیَآءَ (پ۱۲،ھود:۲۰)

اور نہیں ہے ان کافروں کے لئے اللہ کے مقابل کوئی مددگار۔

ان جیسی تمام ان آیتوں میں جہاں مدد، نصرت، ولایت، دوستی وغیرہ کے ساتھ لفظ دون آیا ہے۔ ان میں اس کے معنی صرف سواء یا علاوہ کے نہیں بلکہ وہ سواء مراد ہے جو رب تعالیٰ کا دشمن یا مقابل ہے۔ لہٰذا اس دون کے معنے مقابل کرنا نہایت موزوں ہے جن مفسرین نے یا ترجمہ کرنیوالوں نے ان مقامات میں سواء ترجمہ کیا ہے ان کی مراد بھی سواء سے ایسے ہی سواء مراد ہیں۔ اس دون کی تفسیر یہ آیات ہیں:

﴿۱﴾وَاِنْ یَّخْذُلْکُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُکُمْ مِّنْ بَعْدِہٖ (پ۴،اٰل عمرٰن:۱۶۰)

اور اگر رب تمہیں رسوا کرے تو کون ہے جو پھر تمہاری مدد کرے۔

﴿۲﴾ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَعْصِمُکُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِکُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِکُمْ رَحْمَةً ط وَلَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ۝ (پ ۲۱، الاحزاب: ۱۷)

تم فرماؤ کہ وہ کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچائے اگر ارادہ کرے رب تمہارے لئے برائی کا اور ارادہ کرے مہربانی کا اور وہ اللہ کے مقابل کوئی نہ دوست پائیں گے نہ مددگار۔

﴿۳﴾ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ط (پ ۱۷، الانبیآء: ۴۳)

کیا ان کے کچھ ایسے خدا ہیں جو انہیں ہم سے بچالیں۔

ان آیات نے تفسیر فرمادی کہ جہاں مدد یا دوستی کے ساتھ لفظ دون آئے گا وہاں مقابل اور رب کو چھوڑ کر معنی دے گا نہ کہ صرف سواء یا علاوہ کے۔

نیز اگر اس جگہ دون کے معنی سواء کئے جائیں تو آیات میں تعارض بھی ہوگا کیونکہ مثلاً یہاں تو فرمایا گیا رب کے سوا تمہارا کوئی ولی اور مددگار نہیں اور جو آیات ولی کی بحث میں پیش کی گئیں وہاں فرمایا گیا کہ تمہارا ولی اللہ اور رسول اور نیک مومنین ہیں یا تمہارے ولی فرشتے ہیں یا فرمایا گیا کہ اے مولیٰ اپنی طرف سے ہمارے مددگار فرما۔ اس تعارض کا اٹھانا بہت مشکل ہوگا۔

نیز اگر ان آیات میں دون کے معنی سواء کئے جائیں تو عقل کے بالکل خلاف ہوگا اور رب کا کلام معاذ اللہ جھوٹا ہوگا۔

مثلاً یہاں فرمایا گیا کہ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ط (پ ۲۴، الزمر: ۴۳) انہوں نے خدا کے سوا سفارشی بنا لیئے۔ سفارشی تو خدا کے سوا ہی ہوگا

خدا تو سفارشی ہوسکتا ہی نہیں یا فرمایا گیا:

اَلَّا تَتَّخِذُوۡا مِنۡ دُوۡنِیۡ وَکِیۡلًا ؕ (بنیٓ اسرآء یل:۲) میرے سوا کسی کو وکیل نہ بناؤ حالانکہ دن رات وکیل بنایا جاتا ہے اب وکیل کے معنی کی توجیہیں کرو اور شفعاء کے متعلق بحث کرتے پھرو لیکن اگر یہاں دون کے معنی مقابل کر لئے جائیں تو کلام نہایت صاف ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقابل نہ کوئی سفارشی ہے نہ وکیل، نہ کوئی حمایتی ہے نہ کوئی مددگار نہ کوئی دوست جو کوئی جو کچھ ہے وہ رب تعالیٰ کے ارادہ اور اسی کے حکم سے ہے لہٰذا جہاں بندوں سے ولایت، حمایت، مدد، دوستی کی نفی ہے وہاں رب تعالیٰ کے مقابل ہو کر ہے کہ رب تعالیٰ چاہے ہلاک کرنا اور یہ مدد کر کے بچالیں اور جہاں ان چیزوں کا بندوں کے لئے ثبوت ہے وہاں اذن الٰہی سے مدد نصرت وغیرہ ہے۔

اعتراض: ان آیات میں مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ سے اللہ کے سواء ہی مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سواء غائبانہ مافوق الاسباب مدد کرنے والا کوئی نہیں۔ یہ ہی عقیدہ شرک ہے جن آیتوں میں اللہ کے بندوں کی مدد اور ولایت کا ثبوت ہے۔ وہاں حاضرین زندوں کی اسباب غائبانہ مدد مراد ہے۔ (جواہر القرآن)

جواب: یہ توجیہہ بالکل غلط ہے چند وجھوں سے ایک یہ کہ نفی مدد کی آیتوں میں کوئی قید نہیں ہے مطلق ہیں تم نے اپنے جیب سے اس میں تین قیدیں لگائیں غائبانہ، مافوق الاسباب، مردوں کی مدد، قرآن کی آیت خبر واحد سے بھی مقید نہیں ہوسکتی اور تم صرف اپنے گمان وہم سے مقید کر رہے ہو۔ اور اگر دون کو بمعنی مقابل لیا جاوے تو کوئی قید

لگانی نہیں پڑتی۔

دوسرے یہ کہ تمہاری یہ تفسیر خود قرآن کی اپنی تفسیر کے خلاف ہے قرآن کی مذکورہ بالا آیات نے بتایا کہ یہاں دون بمعنی مقابل ہے۔ لہٰذا تمہاری یہ تفسیر تحریف ہے۔ تفسیر نہیں۔ تیسرے یہ کہ ان قیدوں کے باوجود آیت درست نہیں ہوتی کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ سے بیٹھے ہوئے حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مافوق الاسباب مدد فرمادی کہ انہیں دشمن کی خفیہ تدبیر سے مطلع فرمادیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام کی مافوق الاسباب دور سے مدد فرمادی کہ اپنی قمیص کے ذریعہ باذن پروردگار ان کی آنکھیں روشن فرمادیں اور ظاہر ہے کہ قمیص آنکھ کی شفا کا سبب نہیں لہٰذا یہ مدد مافوق الاسباب ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی وفات کے بعد ہماری مافوق الاسباب یہ مدد کی کہ پچاس نمازوں کی پانچ کرادیں۔

اس قسم کی سینکڑوں مددیں ہیں جو اللہ کے پیاروں نے غائبانہ مافوق الاسباب فرمائیں۔ تمہاری اس تفسیر کی رو سے سب شرک ہوگئیں غرضیکہ تمہاری یہ تفسیر درست نہیں ہوسکتی۔ چوتھے یہ کہ تم اپنی قیدوں پر خود قائم نہ رہو گے۔ اچھا بتاؤ۔ اگر غائبانہ امداد تو منع ہے کیا حاضرانہ امداد جائز ہے تو بتاؤ کسی زندہ ولی سے اس کے پاس جاکر فرزند مانگنا یا رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ اطہر پر جاکر حضور سے جنت مانگنا و دوزخ سے پناہ مانگنا جائز ہے تم اسے بھی شرک کہتے ہو تو تمہاری یہ قیدیں خود تمہارے مذہب کے خلاف ہیں بہر حال یہ قیود باطل ہیں ان آیات میں دون بمعنی مقابل ہے۔

نذرونیاز

قرآن کریم میں یہ لفظ بہت جگہ استعمال ہوا ہے نذر کے لغوی معنی ہیں ڈرانا یا ڈرسنانا۔ شرعی معنی ہیں غیر لازم عبادت کو اپنے پر لازم کر لینا، عرفی معنی ہیں نذرانہ وہدیہ قرآن کریم میں یہ لفظ ان تینوں معانی میں استعمال ہوا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰکَ بِالۡحَقِّ بَشِیۡرًا وَّنَذِیۡرًا (پ۲۲،فاطر:۲٤)
ہم نے تمہیں حق کے ساتھ بھیجا خوشخبری دینے والا ڈرسنانے والا۔

﴿۲﴾ اِنۡ مِّنۡ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیۡهَا نَذِیۡرٌ ؈ (پ۲۲،فاطر:۲٤)
نہیں ہے کوئی جماعت مگر گزرے ان میں ڈرانے والے۔

﴿۳﴾ اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ یَتۡلُوۡنَ عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِ رَبِّکُمۡ وَیُنۡذِرُوۡنَکُمۡ لِقَآءَ یَوۡمِکُمۡ هٰذَا (پ۲٤،الزمر:۷۱)
کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہ آئے جو تم پر تمہارے رب کی آیات تلاوت کرتے ہیں اور تمہیں اس دن کے ملنے سے ڈراتے۔

﴿۴﴾ فَاَنۡذَرۡتُکُمۡ نَارًا تَلَظّٰی ؈ (پ۳۰،اللیل:۱٤)
اور ڈرایا میں نے تم کو بھڑکتی ہوئی آگ سے۔

﴿۵﴾ اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةٍ مُّبٰرَکَةٍ اِنَّا کُنَّا مُنۡذِرِیۡنَ ؈ (پ۲۵،الدخان:۳)
ہم نے قرآن شریف اتارا برکت والی رات میں ہم ہیں ڈرانے والے۔

ان جیسی بہت سی آیات میں نذر لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے بمعنی ڈرانا، دھمکانا۔ اس معنی میں یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے بھی آتا ہے اور انبیاء کرام کے لئے بھی اور علماء دین کے لئے بھی۔ یہ لفظ شرعی معنی میں بھی استعمال ہوا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ مَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ نَّفَقَةٍ اَوۡ نَذَرۡتُمۡ مِّنۡ نَّذۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُهٗ (پ۳،البقرة:۲۷۰)

جو کچھ تم خرچ کرو یا نذر مانو کوئی نذر، اللہ اسے جانتا ہے۔

﴿۲﴾ رَبِّ اِنِّىۡ نَذَرۡتُ لَـكَ مَا فِىۡ بَطۡنِىۡ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلۡ مِنِّىۡ (پ۳،ال عمرٰن:۳۵)

اے میرے رب میں نے نذر مانی تیرے لئے اس بچے کی جو میرے پیٹ میں ہے آزاد۔ پس قبول فرما مجھ سے۔

﴿۳﴾ وَلۡيُوۡفُوۡا نُذُوۡرَهُمۡ وَلۡيَطَّوَّفُوۡا بِالۡبَيۡتِ الۡعَتِيۡقِ ○ (پ۱۷،الحج:۲۹)

چاہیے کہ یہ لوگ اپنی نذریں پوری کریں اور پرانے گھر کا طواف کریں۔

﴿۴﴾ اِنِّىۡ نَذَرۡتُ لِلرَّحۡمٰنِ صَوۡمًا فَلَنۡ اُكَلِّمَ الۡيَوۡمَ اِنۡسِيًّا ○ (پ۱۶،مریم:۲۶)

میں نے اللہ کے لئے روزے کی نذر مانی ہے پس آج کسی سے کلام نہ کروں گی۔

ان جیسی آیات میں نذر سے شرعی معنی مراد ہیں یعنی منت ماننا اور غیر ضروری عبادت کو لازم کرلینا یہ نذر عبادت ہے اس لئے خدا کے سوا کسی بندے کے لئے نہیں ہوسکتی اگر کوئی کسی بندے کی نذر مانتا ہے تو مشرک ہے کیونکہ غیر خدا کی عبادت شرک ہے چونکہ عبادت میں شرط یہ ہے کہ معبود کو الٰہ یعنی خدا یا خدا کے برابر مانا جائے، اس لئے اس نذر میں بھی یہی قید ہوگی کہ کسی کو خدا یا خدا کے برابر مان کر نذر مانی جائے، اگر ناذر کا یہ عقیدہ نہیں ہے بلکہ جس کی نذر مانی اسے محض بندہ سمجھتا ہے تو وہ شرعی نذر نہیں اسی لئے فقہا نے اس نذر میں تقرب کی قید لگائی۔ تقرب کے معنی عبادت ہیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ اگر کوئی کسی بندے کے نام پر شرعی نذر کرے یعنی اس کی

الوہیت کا قائل ہو کر اس کی منت مانے تو اگر چہ یہ شخص مشرک ہوگا اور اس کا یہ کام حرام ہوگا مگر وہ چیز حلال رہے گی اس چیز کو حرام جاننا سخت غلطی ہے اور قرآن کریم کے خلاف۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ مَا جَعَلَ اللّٰہُ مِنْۢ بَحِیْرَۃٍ وَّلَا سَآئِبَۃٍ وَّلَا وَصِیْلَۃٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰکِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ (پ۷،المآئدۃ:۱۰۳)

نہیں بنایا اللہ نے بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام یہ مشرکین اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہیں۔

کفار عرب ان چار قسم کے جانور وصیلہ حام وغیرہ کو اپنے بتوں کے نام کی نذر کرتے تھے اور انہیں کھانا حرام جانتے تھے۔ رب تعالیٰ نے ان کی تردید فرما دی اور فرمایا کہ یہ حلال ہیں جیسے آج کل ہندوؤں کے چھوڑے ہوئے سانڈھ حلال ہیں۔ اللہ کے نام پر ذبح کرو اور کھاؤ۔

﴿۲﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰہِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِیْبًا فَقَالُوْا ھٰذَا لِلّٰہِ بِزَعْمِھِمْ وَھٰذَا لِشُرَکَآئِنَا (پ۸،الانعام:۱۳۶)

اور ٹھہرایا ان کافروں نے اللہ کا اس کھیتی اور جانوروں میں ایک حصہ پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا حصہ ہے اپنے خیال پر اور یہ ہمارے شریکوں کا ہے۔

﴿۳﴾ وَقَالُوْا ھٰذِہٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا یَطْعَمُھَا اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ (پ۸،الانعام:۱۳۸)

اور کافر کہتے ہیں کہ یہ جانور اور کھیتی منع ہے اسے نہ کھائے مگر وہ جسے ہم چاہیں۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ کفار عرب اپنے جانوروں کھیتوں میں بتوں کی نذر

مان لیتے تھے اور کچھ حصہ بتوں کے نام پر نامزد کردیتے تھے پھر انہیں کھانا یا تو بالکل حرام جانتے تھے جیسے بحیرہ، سائبہ جانور اور یا ان کے کھانے میں پابندی لگاتے تھے کہ مرد کھائیں عورتیں نہ کھائیں فلاں کھائے فلاں نہ کھائے۔ان دونوں حرکتوں کی رب نے تردید ان آیات میں فرمادی:

﴿۱﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ (پ۱۴،النحل:۱۱۶)

اور نہ کہو اپنی زبانوں کے جھوٹ بتانے سے کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام۔

﴿۲﴾ قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا (پ۱۱، یونس: ۵۹)

فرماؤ کہ بھلا دیکھو تو جو اللہ نے تمہارا رزق اتارا تم نے اس میں کچھ حلال بنایا کچھ حرام۔

﴿۳﴾ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ (پ۸،الاعراف:۳۲)

فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لئے نکالی اور ستھرا رزق۔

﴿۴﴾ حَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ (پ۸،الانعام:۱۴۰)

ان کافروں نے حرام سمجھ لیا اسے جو اللہ نے انہیں رزق دیا اللہ پر جھوٹ باندھتے ہوئے۔

﴿۵﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ۝ (پ۲،البقرة:۱۷۲)

اے مسلمانو! کھاؤ وہ ستھری چیزیں جو ہم تمہیں رزق دیں اور اللہ کا شکر کرو اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو۔

﴿۶﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ (پ۸،الانعام:۱۱۸)

اور تمہارا کیا حال ہے کہ نہیں کھاتے اس میں سے جس پر اللہ کا نام لیا گیا۔

﴿۸﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ (پ۲،البقرۃ:۱۷۳)

اللہ نے صرف مردار کو اور خون کو اور سور کے گوشت کو اور اس جانور کو جو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جائے تم پر حرام فرمایا۔

﴿۹﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ (پ۸،الانعام:۱۴۰)

بے شک نقصان میں رہے وہ جنہوں نے اپنی اولاد کو نادانی اور جہالت سے قتل کر ڈالا اور اللہ کے دیئے ہوئے رزق کو حرام کرلیا اللہ پر تہمت لگاتے ہوئے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار عرب کے اس عقیدے کی پرزور تردید فرمائی کہ جس جانور اور جس کھیتی وغیرہ کو بت کے نام پر لگا دیا جاوے وہ حرام ہوجاتا ہے۔ فرمایا: تم اللہ پر تہمت لگاتے ہو اللہ نے یہ چیزیں حرام نہ کیں تم کیوں حرام جانتے ہو، جس سے معلوم ہوا کہ بتوں کے نام کی نذر ماننا شرک تھا اور ان کا یہ فعل سخت جرم تھا مگر اس چیز کو حلال ٹھہرایا اس کے حرام جاننے پر عتاب کیا، اسے حلال رزق اور طیب روزی فرمایا۔ ان بتوں کے نام پر چھوٹے ہوئے جانوروں کے متعلق حکم فرمایا کہ اللہ کے نام پر ذبح کرو اور کھاؤ کافروں کی باتوں میں نہ آؤ۔ ایسے ہی آج بھی جس چیز کو غیر خدا کے نام پر شرعی طور پر نذر کردیا جائے وہ بھی حلال طیب ہے اگرچہ یہ نذر شرک ہے۔

نذر کے تیسرے معنی عرفی ہیں یعنی کسی بزرگ کو کوئی چیز ہدیہ، نذرانہ، تحفہ پیش کرنا یا پیش کرنے کی نیت کرنا کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو حضور غوث پاک رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کے نام کی دیگ پکاؤں گا یعنی دیگ بھر کھانا خیرات کروں گا اللہ کے لئے اور ثواب اس کا سرکار بغداد کی روح شریف کو نذرانہ کروں گا یہ بالکل جائز ہے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ایسی نذریں بارگاہ رسالت میں مانی اور پیش کی ہیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبول فرمائی ہیں نہ یہ کام حرام نہ چیز حرام۔ اسی کو عوام کی اصطلاح میں نیاز کہتے ہیں بمعنی نذرانہ۔ اس کا قرآن شریف میں بھی ثبوت ہے اور احادیث صحیحہ میں بھی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ	کچھ گاؤں والے وہ ہیں جو اللہ اور قیامت پر
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ	ایمان لاتے ہیں اور جو خرچ کریں اسے اللہ
قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ	کی نزدیکیوں اور رسول سے دعائیں لینے کا
اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ	ذریعہ سمجھتے ہیں یقیناً ان کیلئے باعث قرب
فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝	ہے اللہ جلد انہیں اپنی رحمت میں داخل کریگا۔
(پ ۱۱، التوبۃ: ۹۹)	بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیت میں بتایا کہ مؤمنین اپنے صدقہ میں دو نیتیں کرتے ہیں۔ ایک اللہ کی نزدیکی اور اس کی عبادت، دوسرے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعائیں لینا اور خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خوش ہونا۔ یہ ہی فاتحہ بزرگان دینے والے، ان کی نذر ماننے والے کا مقصد ہوتا ہے کہ خیرات اللہ کے لئے ہو اور ثواب اس بزرگ کے لئے تاکہ ان کی روح خوش ہو کر ہمیں دعا کرے۔

اسی لئے عوام کہتے ہیں، نذر اللہ، نیاز حسین، اس میں کوئی قباحت نہیں۔ جب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک غزوہ سے بخیریت واپس تشریف لائے تو ایک لڑکی نے عرض کیا:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّى كُنْتُ نَذَرْتُ اِنْ رَدَّكَ اللّٰهُ صَالِحًا اَنْ اَضْرِبَ بَيْنَ يَدَيْكَ بِالدُّفِ وَاَتَغَنّٰى بِهٖ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ كُنْتِ نَذَرْتِ فَاضْرِبِىْ وَاِلَّا فَلَا ۔ (مشکوۃ باب مناقب عمر)

(مشكاة المصابيح، كتاب المناقب، باب مناقب عمر رضى الله عنه، الحديث٦٠٤٨، المجلد الثانى، ص٤١٩، دارالكتب العلمية بيروت)

حضور میں نے منت مانی تھی کہ اگر اللہ عزوجل آپ کو بخیریت واپس لائے تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں اور گاؤں، سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: اگر تم نے نذر مانی ہے تو بجاؤ ورنہ نہیں۔

اس حدیث میں لفظ نذر اسی نذرانہ کے معنی میں ہے نہ کہ شرعی نذر کیونکہ گانا بجانا عبادت نہیں صرف اپنے سرور وخوشی کا نذرانہ پیش کرنا مقصود تھا جو سرکار میں قبول فرمایا گیا۔ یہ عرفی نذر ہے جو ایک صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مانتی ہیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کے پورے کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

اسی مشکوۃ کے حاشیہ میں بحوالہ ملا علی قاری ہے وان كان السرور بمقدمه الشريف نفسه قربة . (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب مناقب والفضائل، باب مناقب عمر رضى الله عنه، تحت الحديث٦٠٤٨، ج١٠، ص٤٠٣، دارالفكر بيروت)

''حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری پر خوشی منانا عبادت ہے۔''

غرضکہ اس قسم کی عرفی نذریں عوام وخواص میں عام طور پر مروج ہیں۔ استاد، ماں، باپ، شیخ سے عرض کرتے ہیں کہ یہ نقدی آپ کی نذر ہے اسے شرک کہنا انتہا درجہ کی بیوقوفی ہے۔

خاتم النبیین

لفظ خاتم ختم سے بنا ہے جس کے لغوی معنی ہیں مہر لگانا۔اصطلاح میں اس کے معنی ہیں تمام کرنا، ختم کرنا، بند کرنا، کیونکہ مہر یا تو مضمون کے آخر پر لگتی ہے جس سے مضمون بند ہوجاتا ہے یا پارسل بند ہونے پر لگتی ہے جب نہ کوئی شے اس میں داخل ہوسکے نہ اس سے خارج، اسی لئے تمام ہونے کو ختم کہا جاتا ہے قرآن شریف میں یہ لفظ دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿۱﴾ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ (پ ۱،البقرۃ:۷)
اللہ تعالیٰ نے ان کفار کے دلوں اور کانوں پر مہر لگادی۔

﴿۲﴾ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَاۤ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ٥ (پ ۲۳،یٰسٓ:۶۵)
آج ہم ان کے منہ پر مہر لگادیں گے اور ہم سے ان کے ہاتھ بولیں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے جو وہ کرتے تھے۔

﴿۳﴾ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ (پ ۲۵،الشورٰی:۲۴)
تو اگر اللہ چاہے تو آپ کے دل پر رحمت وحفاظت کی مہر لگادے۔

﴿۴﴾ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ٥ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ (پ ۳۰،المطففین:۲۵)
نتھاری شراب پلائے جائیں گے جو مہر کی ہوئی ہے اس کی مہر مشک پر ہے۔

ان جیسی تمام آیتوں میں ختم بمعنی مہر استعمال فرمایا گیا ہے کہ جب کفار کے دل وکان پر مہر لگ گئی تو نہ باہر سے وہاں ایمان داخل ہو نہ وہاں سے کفر باہر نکلے یوں ہی جنت میں شَرَابًا طَهُوْرًا ایسے برتنوں سے پلائی جائے گی جن پر حفاظت کے لئے

مہر ہے تا کہ کوئی توڑ کر نہ باہر سے کوئی آمیزش کر سکے نہ اندر سے کچھ نکال سکے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِکُمۡ وَلٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (پ۲۲،الاحزاب:۴۰)

محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے۔

اس جگہ خاتم عرفی معنی میں استعمال ہوا یعنی آخری اور پچھلا۔ لہٰذا اب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی کو نبوت ملنا ناممکن ہے۔ اس معنی کی تائید حسب ذیل آیات سے ہوتی ہے اور ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔

﴿۱﴾ اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ (پ۶،المآئدۃ:۳)

آج میں نے تمہارے لئے دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی۔

﴿۲﴾ ثُمَّ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمۡ لَتُؤۡمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنۡصُرُنَّہٗ (پ۳،اٰل عمرٰن:۸۱)

پھر تشریف لائیں تمہارے پاس وہ رسول جو تمہاری کتابوں کی تصدیق کریں تو تم سب نبی ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا۔

﴿۳﴾ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِہِ الرُّسُلُ (پ۴،اٰل عمرٰن:۱۴۴)

محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) رسول ہی ہیں ان سے پہلے سارے رسول گزر چکے۔

﴿۴﴾ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ ۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ○ (پ ۵، النساء: ۴۱)

تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور اے محبوب تمہیں ان سب پر گواہ ونگہبان لائیں گے۔

ان آیتوں سے تین باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا دین مکمل ہے اور دین کے مکمل ہوچکنے کے بعد کسی نبی کی ضرورت نہیں۔ دوسرے یہ کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم تمام نبیوں کی تصدیق کرتے ہیں کسی نبی کی بشارت یا خوشخبری نہیں دیتے اور پچھلے نبی کی تصدیق ہوتی ہے آئندہ کی بشارت اگر آپ کے بعد کوئی اور نبی ہوتا تو اس کے بشیر بھی ہوتے۔ تیسرے یہ کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلم سارے پیغمبروں اور ان کی امتوں پر گواہ ہیں لیکن کوئی نبی حضور کا گواہ یا حضور کی امت کا گواہ نہیں جس سے معلوم ہوا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ چوتھے یہ کہ سارے نبی آپ سے پہلے گزر چکے کوئی باقی نہیں رہا۔

اعتراض: خاتم النبیین کے معنی ہیں نبیوں سے افضل جیسے کہا کرتے ہیں فلاں شخص خَاتَمُ الشُّعَرَآءِ یا خَاتَمُ الْمُحَدِّثِیْنَ ہے اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ شاعروں یا محدثوں میں آخری شاعر یا آخری محدث ہے بلکہ محدثوں میں افضل ہے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ کو فرمایا: "اَنْتَ خَاتَمُ الْمُهَاجِرِيْنَ" (فضائل الصحابة لابن حنبل، باب فضائل ابی الفضل العباس بن عبدالمطلب، الحدیث ۱۸۱۲، ج ۲، ص ۹۴۱، مؤسسة الرسالة بیروت) "تم مہاجرین میں خاتم یعنی افضل ہو۔" نہ یہ معنی کہ آخری مہاجر ہو کیونکہ ہجرت تو قیامت تک جاری رہے گی لہٰذا آپ کے بعد نبی آسکتے ہیں، ہاں آپ سب سے افضل ہیں اور خاتم النبیین کے معنی یہی ہیں۔

جواب: خاتم ختم سے بنا ہے جس کے معنی افضل نہیں ورنہ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ (پ ۱، البقرۃ: ۷) کے معنی یہ ہوتے کہ اللہ نے کافروں کے دل افضل کر دیئے۔ جب ختم میں افضلیت کے معنی نہیں تو خاتم میں جو اس سے مشتق ہے یہ معنی کہاں سے آ گئے لوگوں کا کسی کو خاتم الشعراء کہنا مبالغہ ہوتا ہے گویا اب اس شان کا شاعر نہ آوے گا کہا کرتے ہیں فلاں پر شعر گوئی ختم ہو گئی۔ رب تعالیٰ کا کلام مبالغہ اور جھوٹ سے پاک ہے، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان مہاجرین میں جنہوں نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی آخری مہاجر ہیں کیونکہ ان کی ہجرت فتح مکہ کے دن ہوئی جس کے بعد یہ ہجرت بند ہو گئی لہٰذا وہاں بھی خاتم آخر کے معنی میں ہے۔

سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا لَا ھِجْرَۃَ بَعْدَ الْیَوْمِ آج کے بعد اب مکہ سے ہجرت نہ ہوگی، اگر وہاں خاتم کے معنی افضل ہوں تو لازم آئے گا کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بھی افضل ہو جاویں کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم بھی مہاجر ہیں۔

اعتراض: اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں تو پھر عیسیٰ علیہ السلام کیوں آپ کے بعد آویں گے۔ آخری نبی کے بعد کوئی نبی نہ چاہیے؟

جواب: آخری نبی کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے زمانہ یا آپ کے بعد کوئی نبی باقی نہ رہے۔ آخری اولاد کے معنی یہ ہیں کہ پھر کوئی بچہ پیدا نہ ہو، نہ یہ کہ پچھلے سب مر جاویں نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تشریف لانا اب نبوت کی حیثیت سے نہ ہوگا بلکہ حضور کے امتی کی حیثیت سے یعنی وہ اپنے وقت کے نبی ہیں اور اس وقت کے امتی۔

جیسے کوئی جج دوسرے جج کی کچہری میں گواہی دینے کے لئے جاوے تو وہ اگرچہ اپنے علاقہ میں جج ہے مگر اس علاقہ میں گواہ عیسیٰ علیہ السلام محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے علاقہ میں ان کے دین کی نصرت و مدد کرنے تشریف لاویں گے۔

نوٹ ضروری: جب ختم بمعنی مہر ہوتا ہے تو اس کے بعد علیٰ ضرور ہوتا ہے خواہ ظاہر ہو یا پوشیدہ جیسے کہ ہماری پیش کردہ آیات سے ظاہر ہے اور جب ختم بمعنی آخر ہونا یا تمام کرنا ہوگا تو علیٰ کی ضرورت نہیں خاتم النبین میں علی نہ ظاہر ہے نہ پوشیدہ لہٰذا یہاں آخری نبی مراد ہیں۔

نوٹ ضروری: خاتم النبیین کے معنی ''آخری نبی'' خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائے اور اس پر امت کا اجماع رہا اب آخری زمانہ میں مولوی محمد قاسم دیوبندی اور مرزا غلام احمد قادیانی نے اس کے نئے معنے ایجاد کئے یعنی اصلی نبی، افضل نبی اور ان اجماعی معنی کا انکار کیا اسی لئے ان دونوں پر عرب وعجم کے علماء نے فتویٰ کفر دیا اور جیسے قرآن مجید کے الفاظ کا انکار کفر ہے ویسے ہی اس کے اجماعی معنی کا انکار بھی کفر ہے اگر کوئی کہے کہ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ (پ ۱، البقرۃ: ۴۳) پر میرا ایمان ہے یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے ہیں مگر صلوٰۃ کے معنی نماز نہیں بلکہ اس کے معنے دعا ہیں۔ ہاں نماز بھی اس معنی میں داخل ہے اور زکوٰۃ کے معنی صدقہ واجبہ نہیں بلکہ اس کے معنی پاکی ہے ہاں صدقہ وخیرات بھی اس میں داخل ہے تو وہ کافر ہے کیونکہ اگرچہ وہ قرآن کے لفظوں کا انکار نہیں کرتا مگر متواتر معنی کا انکار کرتا ہے اس صورت میں خواہ نماز کو فرض ہی مانے مگر جب قرآن میں الصلوٰۃ کے معنی نماز نہیں کرتا تو وہ کافر ہے۔

نیز نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سارے صفات کو ماننا ایمان کے لئے

ضروری ہے جیسے کہ حضور نبی ہیں، رسول ہیں، شفیع المذنبین ہیں اور رحمت للعالمین ہیں ایسے ہی آپ خاتم النبیین بمعنی آخری نبی ہیں جیسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا ماننا ضروری ہے اور نبوت کے وہی معنی ہیں جو مسلمان مانتے ہیں ایسے ہی آپ کو خاتم النبیّین اسی معنی سے ماننا ضروری ہے جو مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ نیز جیسے لا الہ الا اللہ میں الٰہ نکرہ ہے نفی کے بعد تو معنی یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی طرح کا کوئی معبود نہیں، نہ اصلی نہ ظلی، نہ بروزی نہ مراتی نہ مذاتی۔ ایسے ہی "لا نبی بعدی" میں نبی نکرہ نفی کے بعد ہے جس کے معنی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی طرح کا نبی اصلی، نقلی، بروزی وغیرہ آنا ایسا ہی ناممکن ہے جیسا دوسرا الٰہ ہونا، جو کوئی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت کا امکان بھی مانے، وہ بھی کافر ہے لہٰذا دیوبندی اور قادیانی اس ختم نبوت کے انکار کی وجہ سے دونوں مرتد ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: **فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَاۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا** (پ ۱، البقرۃ: ۱۳۷) اے صحابیو! اگر ایسا ایمان لائیں جیسا تمہارا ایمان ہے تو ہدایت پا جائینگے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہ مانا لہٰذا نبی ماننا گمراہی ہے۔

دوسرا باب

قواعد قرآنیہ

پہلے باب میں معلوم ہو چکا کہ قرآن شریف میں ایک لفظ چند معنی میں آتا ہے، ہر مقام پر لفظ کے وہی معنی کرنا چاہئیں جو اس جگہ مناسب ہوں۔ اب ہم وہ قاعدے بیان کرتے ہیں جن سے معلوم ہو جائے کہ لفظ کے معنے معلوم کرنے کے

قاعدے کیا ہیں؟ کیسے معلوم کریں کہ یہاں فلاں معنی ہیں۔ ان قواعد کو بغور مطالعہ کرو تا کہ ترجمہ قرآن میں غلطی واقع نہ ہو۔

قاعدہ نمبر ۱

الف: جب وحی کی نسبت نبی کی طرف ہوگی تو اسکے معنی ہوں گے رب تعالیٰ کا بذریعہ فرشتہ پیغمبر سے کلام فرمانا یعنی وحی الٰہی عرفی۔

ب: جب وحی کی نسبت غیر نبی کی طرف ہو تو اس سے مراد ہوگا دل میں ڈالنا، خیال پیدا کر دینا۔ الف کی مثال ان آیات میں ہے:

﴿۱﴾ اِنَّاۤ اَوْحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ کَمَاۤ اَوْحَیۡنَاۤ اِلٰی نُوۡحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنۡۢ بَعْدِہٖ (پ۶، النسآء: ۱۶۳)

بے شک ہم نے وحی کی تمہاری طرف جیسے وحی کی تھی نوح اور ان کے بعد والے پیغمبروں کی طرف۔

﴿۲﴾ وَ اُوۡحِیَ اِلٰی نُوۡحٍ اَنَّہٗ لَنۡ یُّؤْمِنَ مِنۡ قَوْمِکَ اِلَّا مَنۡ قَدْ اٰمَنَ (پ۱۲، ھود: ۳۶)

اور وحی کی گئی نوح کی طرف کہ اب ایمان نہ لائیگا مگر وہ جو ایمان لا چکے۔

ان جیسی صدہا آیتوں میں وحی سے مراد ہے وحی ربانی جو پیغمبروں پر آتی ہے۔

''ب'' کی مثال یہ آیات ہیں:

﴿۱﴾ وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیۡ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوۡتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوۡنَ ۙ (پ۱۴، النحل: ۶۸)

اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں ڈالا کہ پہاڑوں میں گھر بنا اور درختوں میں اور چھتوں میں۔

﴿۲﴾ وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰۤی اَوْلِیٰٓئِهِمْ (پ۸،الانعام:۱۲۱)

اور بے شک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں ڈالتا ہے۔

﴿۳﴾ وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤی اُمِّ مُوْسٰۤی اَنْ اَرْضِعِیْهِ (پ۲۰،القصص:۷)

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے دل میں ڈال دیا کہ انہیں دودھ پلاؤ۔

ان آیتوں میں چونکہ وحی کی نسبت شہد کی مکھی یا موسیٰ علیہ السلام کی ماں یا شیطان کی طرف ہے اور یہ سب نبی نہیں اس لئے یہاں وحی نبوت مراد نہ ہوگی بلکہ فقط دل میں ڈال دینا مراد ہوگا کبھی وحی اس کلام کو بھی کہا جاتا ہے جو نبی سے بلا واسطہ فرشتہ ہو۔ جیسے اس آیت میں ہے۔

فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ۝ فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی ۝ (پ۲۷،النجم:۹۔۱۰)

پس ہوگئے وہ محبوب دوکمانوں کے فاصلہ پر اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی کی۔

معراج کی رات قرب خاص کے موقعہ پر جب فرشتہ کا واسطہ نہ رہا تھا جو رب تعالیٰ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ہم کلامی ہوئی اسے وحی فرمایا گیا۔

قاعدہ نمبر ۲

الف: جب ''عبد'' کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس سے مراد مخلوق عابد یا بندہ ہوتا ہے۔

ب: جب ''عبد'' کی نسبت بندے کی طرف ہو تو اس کے معنی خادم نوکر ہوں گے۔

''الف'' کی مثال ان آیات میں ہے:

﴿۱﴾ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا (پ۱۵،بنیٓ اسرآء یل:۱)
پاک ہے وہ جو اپنے بندہ خاص کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔

﴿۲﴾ وَاذۡکُرۡ عَبۡدَنَاۤ اَیُّوۡبَ (پ۲۳،ص:۴۱)
اور یاد کرو ہمارے بندہ ایوب کو۔

﴿۳﴾ اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡہِمۡ سُلۡطٰنٌ (پ۱۵،بنیٓ اسرآء یل:۶۵)
میرے خاص بندوں پر اے ابلیس تیرا غلبہ نہ ہوگا۔

ان تمام آیتوں میں چونکہ عبد کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف ہے اس لئے یہاں ''عبد'' کے معنی بندۂ عابد ہوں گے۔

''ب'' کی مثال ان آیات میں ہے:

﴿۱﴾ وَاَنۡکِحُوا الۡاَیَامٰی مِنۡکُمۡ وَالصّٰلِحِیۡنَ مِنۡ عِبَادِکُمۡ وَاِمَآئِکُمۡ (پ۱۸،النور:۳۲)
اور نکاح کردو ان میں سے ان کا جو بے نکاح ہوں اور اپنے لائق غلاموں اور لونڈیوں کا۔

﴿۲﴾ قُلۡ یٰعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَۃِ اللّٰہِ (پ۲۴،الزمر:۵۳)
فرمادو کہ اے میرے وہ غلامو جنہوں نے زیادتی کی اپنی جانوں پر مت ناامید ہو اللہ کی رحمت سے

ان آیتوں میں چونک ''عبد'' کی نسبت بندوں کی طرف ہے اس لئے اس کے معنی مخلوق نہ ہوں گے بلکہ خادم، غلام ہوں گے لہٰذا عبد النبی اور عبد الرسول کے معنی ہیں نبی کا خادم۔

قاعدہ نمبر ۳

الف: جب رب کی نسبت اللہ کی طرف ہو تو اس سے مراد ہے حقیقی پالنے والا یعنی اللہ تعالیٰ۔

ب: جب کسی بندے کو رب کہا جاوے تو اس کے معنی ہوں گے مربی، محسن، پرورش کرنے والا۔

''الف'' کی مثال یہ آیات ہیں:

﴿۱﴾ **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o** (پ۱، الفاتحۃ:۱)
ساری حمدیں اللہ کے لئے ہیں جو جہان کا رب ہے۔

﴿۲﴾ **رَبَّکُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِکُمُ الْاَوَّلِیْنَ o** (پ۲۳، الصّٰفّٰت:۱۲۶)
وہ اللہ تمہارا اور تمہارے پچھلے باپ دادوں کا رب ہے۔

﴿۳﴾ **قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ o مَلِکِ النَّاسِ o** (پ۳۰، الناس:۱،۲)
فرمادو میں پناہ لیتا ہوں انسانوں کے رب کی۔

ان آیات میں چونکہ اللہ تعالیٰ کو رب کہا گیا لہٰذا اس سے مراد حقیقی پالنے والا ہے۔

''ب'' کی مثال ان آیتوں میں ہے:

﴿۱﴾ **اِرْجِعْ اِلٰی رَبِّکَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ** (پ۱۲، یوسف:۵۰)
اپنے مربی (بادشاہ) کی طرف لوٹ جا پھر اس سے پوچھ کہ کیا حال ہے ان عورتوں کا جنہوں نے ہاتھ کاٹے تھے۔

﴿۲﴾ **قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ** (پ۱۲، یوسف:۲۳)
فرمایا یوسف نے اللہ کی پناہ وہ بادشاہ میرا رب ہے اس نے مجھے اچھی طرح رکھا۔

ان آیتوں میں چونکہ بندوں کو رب کہا گیا ہے اس لئے اس کے معنے مربی اور پرورش کرنے والا ہیں۔

قاعدہ نمبر ۴

الف: جب ''ضلال'' کی نسبت غیر نبی کی طرف ہو تو اس کے معنی گمراہ ہوں گے۔

ب: جب ''ضلال'' کی نسبت نبی کی طرف ہو تو اس کے معنی وارفتہ محبت یا راہ سے ناواقف ہوں گے۔

''الف'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ **مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَلَا ہَادِیَ لَہٗ** (پ ۹، الاعراف: ۱۸۶)
جسے خدا گمراہ کرے اسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں۔

﴿۲﴾ **غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ** ○ (پ ۱، الفاتحۃ: ۷)
ان کا راستہ نہ چلا جن پر غضب ہوا نہ گمراہوں کا۔

﴿۳﴾ **وَمَنۡ یُّضۡلِلۡ فَلَنۡ تَجِدَ لَہٗ وَلِیًّا مُّرۡشِدًا** ○ (پ ۱۵، الکہف: ۱۷)
جسے رب گمراہ کردے تم اس کیلئے ہادی رہبر نہ پاؤ گے۔

ان جیسی تمام آیتوں میں چونکہ ضلال کا تعلق نبی سے نہیں غیر نبی سے ہے تو اس کے معنی ہیں گمراہی خواہ کفر ہو یا شرک یا کوئی اور گمراہی سب اس میں داخل ہوں گے۔

''ب'' کی مثالیں:

﴿۱﴾ **وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَہَدٰی** ○ (پ ۳۰، الضحی: ۷)
اے محبوب رب نے تمہیں اپنی محبت میں وارفتہ پایا تو اپنی راہ دے دی۔

﴿۲﴾قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّکَ لَفِیْ ضَلٰلِکَ الْقَدِیْمِ○ (پ۱۳،یوسف:۹۵)
وہ فرزندان یعقوب بولے کہ خدا کی قسم تم تو اپنی پرانی خودرفتگی میں ہو۔

﴿۳﴾قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّیْنَ○(پ۱۹،الشعرآء:۲۰)
فرمایا موسیٰ نے کہ میں نے قبطی کو مارنے کا کام جب کیا تھا جب مجھے راہ کی خبر نہ تھی۔

یعنی نہ جانتا تھا کہ گھونسہ مارنے سے قبطی مرجائے گا۔ان جیسی تمام آیتوں میں ''ضلال'' کے معنی گمراہی نہیں ہوسکتے کیونکہ نبی ایک آن کے لئے گمراہ نہیں ہوتے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۱﴾مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی○ (پ۲۷،النجم:۲)
تمہارے صاحب محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہ بہکے نہ بے راہ چلے۔

﴿۲﴾لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰکِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ○ (پ۸،الاعراف:۶۱)
حضرت شعیب نے فرمایا کہ مجھ میں گمراہی نہیں لیکن میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ نبی گمراہ نہیں ہوسکتے۔آیت۲ میں ''لکن'' بتارہا ہے کہ نبوت اور گمراہی جمع نہیں ہوسکتی۔

قاعدہ نمبر ۵

الف: ''مکر'' یا ''خداع'' کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کے معنے دھوکہ یا فریب نہ ہوں گے کیونکہ یہ عیب ہیں بلکہ اس کے معنی ہوں گے دھوکے کی سزا دینا یا خفیہ تدبیر کرنا۔

ب: جب اس کی نسبت بندوں کی طرف ہو تو مکر کے معنی دھوکہ، مکاری، دغا بازی اور خداع کے معنی فریب ہوں گے۔ ان دونوں کی مثالیں یہ ہیں۔

﴿۱﴾ **يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ** (پ ۵، النسآء: ۱۴۲) وہ اللہ کو دھوکا دیا چاہتے ہیں اور رب انہیں سزادے گا یا رب ان پر خفیہ تدبیر فرمائے گا۔

﴿۲﴾ **يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ** (پ ۱، البقرۃ: ۹) منافقین دھوکہ دیا چاہتے ہیں اللہ کو اور مسلمانوں کو اور نہیں دھوکہ دیتے مگر اپنی جانوں کو۔

﴿۳﴾ **وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝** (پ ۳، ال عمرٰن: ۵۴) اور منافقوں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے خلاف خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ تمام تدبیریں کرنے والوں میں بہتر ہے۔

ان تمام آیتوں میں جہاں مکر یا خداع کا فاعل کفار ہیں۔ اس سے مراد دھوکا فریب ہے اور جہاں اس کا فاعل رب تعالیٰ ہے وہاں مراد یا تو مکر کی سزا ہے یا خفیہ تدبیر۔

قاعدہ نمبر ۶

الف: جب ''تقویٰ'' کی نسبت رب کی طرف ہو تو اس سے مراد ڈرنا ہوگا۔

ب: جب ''تقویٰ'' کی نسبت آگ یا کفر یا گناہ کی طرف ہو تو اس سے مراد بچنا ہوگا۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ **يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ** (پ ۴، النسآء: ۱) اے لوگو! ڈرو اپنے اس رب سے جس نے تمہیں پیدا کیا۔

﴿۲﴾ فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (پ۱،البقرۃ:۲۴)
اور بچو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔

پہلے ''اِتَّقُوْا'' کے معنی ڈرنا ہے کیونکہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور دوسرے ''اِتَّقُوْا'' کے معنی بچنا ہے کیونکہ اس کے بعد آگ کا ذکر ہے۔

قاعدہ نمبر ۷

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

الف: جب ''مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ'' عبادت کے ساتھ آوے تو اس کے معنی ہوں گے اللہ کے سواء۔

ب: جب ''مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ'' مدد، نصرت، ولایت، دعا بمعنی پکارنا کے ساتھ آوے۔ تو اس کے معنی ہوں گے اللہ کے مقابل یعنی اللہ کے سواء وہ لوگ جو اللہ کے مقابل ہیں۔ ''الف'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (پ۱۷،الانبیآء:۹۸)
تم اور وہ چیزیں جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو دوزخ کا ایندھن ہیں۔

﴿۲﴾ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ (پ۱۸،المؤمنون:۱۱۷)
اور جو کوئی اللہ کے سوا دوسرے معبود کو پوجے۔

﴿۳﴾ وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًاo (پ۲۹،الجن:۱۸)
بے شک مسجدیں اللہ کی ہیں تو تم خدا کے ساتھ کسی کو نہ پوجو۔

ان جیسی تمام آیتوں میں "مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ" کے معنی اللہ کے سوا ہیں کیونکہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت جائز نہیں۔ "ب" کی مثال یہ آیات ہیں:

﴿۱﴾ وَمَا لَكُم مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيۡرٍ ۝ — اور تمہارا اللہ کے مقابل نہ کوئی دوست ہے اور نہ مددگار۔

(پ ۱، البقرة: ۱۰۷)

﴿۲﴾ اَمۡ لَهُمۡ اٰلِهَةٌ تَمۡنَعُهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِنَا (پ ۱۷، الانبیآء: ۴۳) — کیا ان کے پاس ایسے معبود ہیں جو ہمارے مقابل انہیں بچالیں۔

﴿۳﴾ اَلَّا تَتَّخِذُوۡا مِنۡ دُوۡنِيۡ وَكِيۡلًا ۝ (پ ۱۵، بنیٓ اسرآءیل: ۲) — میرے مقابل کسی کو وکیل نہ بناؤ۔

﴿۴﴾ اَمِ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ (پ ۲۴، الزمر: ۴۳) — بلکہ بنالئے انہوں نے اللہ کے مقابل حمایتی۔

ان جیسی تمام آیتوں میں "مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ" سے مراد اللہ کے مقابل ہوگا یعنی اللہ کے مقابل تمہارا کوئی مددگار، ناصر، سفارشی، وکیل نہیں جو رب سے مقابلہ کر کے تمہیں اس کے عذاب سے بچالے۔ اگر ان آیات میں اس کے معنی اللہ کے سوا کئے گئے یعنی خدا کے سوا تمہارا کوئی مددگار نہیں تو ان آیتوں سے تعارض ہوگا جن میں بندوں کو مددگار بتایا گیا ہے جیسا کہ پہلے باب میں گزر چکا۔ اس معنی کی تائید ان آیتوں سے ہو رہی ہے:

﴿۱﴾ مَنۡ ذَا الَّذِيۡ يَعۡصِمُكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ اِنۡ اَرَادَ بِكُمۡ سُوۡٓءًا — وہ کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچالے اگر وہ تمہاری برائی چاہے۔

(پ ۲۱، الاحزاب: ۱۷)

﴿۲﴾ وَاِنۡ یَّخۡذُلۡکُمۡ فَمَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَنۡصُرُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِہٖ (پ۴،ال عمرٰن:۱۶۰)

اور اگر تمہیں رب رسوا کرے تو کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے۔

ان آیتوں نے بتایا کہ کوئی بندہ رب کے خلاف ہوکر اس کے مقابل رب سے کسی کو نہ بچاسکے نہ کسی کی مدد کرسکے ہاں اس کے ارادے، اس کے اذن سے بندے ولی بھی ہیں، شفیع بھی ہیں، مددگار بھی ہیں، وکیل بھی ہیں۔

قاعدہ نمبر ۸

الف: جب ''ولی'' رب کے مقابل آوے تو اس سے مراد معبود یا مالک حقیقی ہے اور ایسا ولی اختیار کرنا شرک و کفر ہے۔

ب: جب ''ولی'' رب کے مقابل نہ ہو تو اس سے مراد دوست یا مددگار، وغیرہ ہیں۔ ''الف'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ اَفَحَسِبَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا عِبَادِیۡ مِنۡ دُوۡنِیۡۤ اَوۡلِیَآءَ (پ۱۶،الکہف:۱۰۲)

کیا کافروں نے سمجھ رکھا ہے کہ میرے بندوں کو میرے سوا معبود بنائیں۔

﴿۲﴾ مَثَلُ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اَوۡلِیَآءَ کَمَثَلِ الۡعَنۡکَبُوۡتِ ۚ اِتَّخَذَتۡ بَیۡتًا (پ۲۰،العنکبوت:۴۱)

ان کی مثال جنہوں نے خدا کے سوا کوئی معبود بنالیا مکڑی کی طرح ہے جس نے گھر بنایا۔

﴿۳﴾ وَالَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَآءَ (پ۲۳،الزمر:۳)

اور وہ جنہوں نے اللہ کے سوا کوئی معبود بنالئے۔

ان جیسی آیتوں میں ولی بمعنی معبود ہے یا مالک حقیقی۔ ''ب'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رٰکِعُوْنَ ٥ (پ ٦، المآئدۃ: ٥٥)

تمہارا دوست یا مدد گار اللہ اور اس کا رسول اور وہ مومن ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور رکوع کرتے ہیں۔

﴿۲﴾ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ نَصِیْرًا ٥ (پ ٥، النسآء: ٧٥)

پس ہمارے لئے اپنی طرف سے ولی بنادے اور ہمارے لئے اپنی طرف سے مدد گار مقرر فرمادے۔

ان جیسی آیات میں ''ولی'' سے مراد معبود نہیں، بلکہ دوست یا مددگار وغیرہ مراد ہیں کیونکہ یہاں رب کے مقابل ولی نہیں فرمایا گیا ہے اس کی پوری تحقیق پہلے باب میں ''ولی'' کے بیان میں گزر چکی ہے۔

قاعدہ نمبر ۹

الف: جب ''دعا'' کے بعد دشمنِ خدا کا ذکر ہو یا دعا کا فاعل کافر ہو یا دعا پر رب تعالیٰ کی ناراضگی کا اظہار ہو یا دعا کرنے والوں کو رب تعالیٰ نے کافر، مشرک، گمراہ فرمایا ہو تو دعا سے مراد عبادت، پوجنا وغیرہ ہوگا نہ کہ محض پکارنا یا بلانا۔

ب: جب ''دعا'' کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو تو وہاں اس کے معنی پکارنا، پوجنا، دعا مانگنا ہوگا حسب موقع معنی کئے جائیں گے۔

''الف'' کی مثال یہ ہے:

﴿ ۱ ﴾وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (پ۲۶،الاحقاف:۵)

اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہے جو خدا کے سوا ایسوں کو پوجے جو اس کی قیامت تک نہ سنیں۔

﴿ ۲ ﴾وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا (پ۲۹،الجن:۱۸)

بے شک مسجدیں اللہ کی ہیں تو اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پوجو۔

﴿ ۳ ﴾هُوَ الْحَیُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ (پ۲۴،المؤمن:۶۵)

وہ ہی زندہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں بس اسے پوجو۔

ان جیسی تمام آیات میں ''دعا'' کے معنی پوجنا ہیں پکارنا یا بلانا نہیں۔ معنی یہ ہوں گے کہ خدا کے سوا کسی کو نہ پوجو۔ یہ مطلب نہیں کہ کسی کو نہ پکارو یا نہ بلاؤ۔

''ب'' کی مثال یہ آیات ہیں:

﴿ ۱ ﴾اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً (پ۸،الاعراف:۵۵)

اپنے رب سے دعا مانگو عاجزی سے پوشیدہ۔

﴿ ۲ ﴾اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (پ۲،البقرة:۱۸۶)

دعا کرنے والوں کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا مانگتے ہیں۔

ان جیسی آیات میں دعا سے مراد دعا مانگنا بھی ہوسکتا ہے اور پوجنا بھی، پکارنا بھی، ایک ہی لفظ مختلف موقعوں پر مختلف معانی میں ہوتا ہے اگر بے موقع معنی کئے جاویں تو کبھی کفر لازم آجاتا ہے اس کی تحقیق پہلے باب میں دعا کے بیان میں گزر چکی۔

قاعدہ نمبر ۱۰

الف: جب ''شرک'' کا مقابلہ ایمان سے ہوگا تو شرک سے مراد ہر کفر ہوگا۔

ب: جب ''شرک'' کا مقابلہ اعمال سے ہوگا تو شرک سے مراد مشرکوں کا سا کام ہوگا نہ کہ کفر۔

''الف'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ وَلَعَبۡدٌ مُّؤۡمِنٌ خَیۡرٌ مِّنۡ مُّشۡرِکٍ (پ ۲، البقرۃ: ۲۲۱) مومن غلام مشرک یعنی کافر سے بہتر ہے۔

﴿۲﴾ وَلَا تُنۡکِحُوا الۡمُشۡرِکِیۡنَ حَتّٰی یُؤۡمِنُوۡا (پ ۲، البقرۃ: ۲۲۱) مشرک یعنی کسی کافر سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔

﴿۳﴾ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَیَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ (پ ۵، النسآء: ۴۸) بے شک اللہ مشرک کو نہ بخشے گا اس کے سوا جسے چاہے بخش دے گا۔

ان تمام آیتوں میں شرک سے مراد کفر ہے کیوں کہ مومنہ کا کسی کافر مرد سے نکاح جائز نہیں۔ کوئی کفر جس پر انسان مرجاوے بخشا نہ جاوے گا۔ مومن ہر کافر سے بہتر ہے۔ اگر یہاں شرک کے معنی صرف بت پرستی کیا جاوے تو غلط ہوگا۔

''ب'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ۝ (پ ۲۱، الروم: ۳۱) نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو۔

اس آیت میں اور اس حدیث میں مَنۡ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدۡ کَفَرَ جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی وہ کافر ہوگیا۔ یہ ہی مراد ہے کہ نماز نہ پڑھنا مشرکوں، کافروں کا سا کام ہے کیوں کہ نماز نہ پڑھنا گناہ تو ہے کفر یا شرک نہیں۔

قاعدہ نمبر ۱۱

الف: جب ''صلوٰۃ'' کے بعد ''علیٰ'' آوے تو اس کے معنی رحمت یا دعاءِ رحمت ہوں گے یا نماز جنازہ۔

ب: جب ''صلوٰۃ'' کے بعد ''علیٰ'' نہ آوے تو صلوٰۃ کے معنی نماز ہوں گے۔

''الف'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَ مَلٰٓىٕكَتُهٗ (پ۲۲،الاحزاب:۴۳) — وہ اللہ ہے جو تم پر رحمت کرتا ہے اور اس کے فرشتے دعاءِ رحمت کرتے ہیں۔

﴿۲﴾ وَصَلِّ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (پ۱۱،التوبۃ:۱۰۳) — آپ ان کے لئے دعا کریں۔آپ کی دعا ان کے دل کا چین ہے۔

﴿۳﴾ وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ (پ۱۰،التوبۃ:۸۴) — ان منافقوں میں سے کسی پر نہ آپ نماز جنازہ پڑھیں نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔

﴿۴﴾ اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓىٕكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ (پ۲۲،الاحزاب:۵۶) — بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی پر۔

ان جیسی تمام آیتوں میں صلوٰۃ سے مراد دعا یا رحمت یا نماز جنازہ ہی مراد ہوگا کیونکہ ان میں صلوٰۃ کے بعد ''علیٰ'' آرہا ہے۔

''ب'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (پ۱،البقرۃ:۴۳) — نماز قائم کرو اور زکوۃ دو۔

﴿۲﴾ اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتۡ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کِتٰبًا مَّوۡقُوۡتًا ۝ بے شک نماز مسلمانوں پر وقت کے مطابق واجب ہے۔

(پ ۵، النسآء: ۱۰۳)

ان جیسی تمام آیتوں میں صلوٰۃ سے مراد نماز ہے کیونکہ یہاں صلوٰۃ سے علٰی کا تعلق نہیں دوسری آیت میں اگر چہ ''علٰی'' ہے مگر علٰی کا تعلق کتاباً سے ہے، نہ کہ صلوٰۃ سے لہٰذا یہاں بھی مراد نماز ہی ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۲

مُردوں کا سننا

جب قرآن شریف میں مُردے، اندھے، بہرے، گونگے، قبر والے کے ساتھ نہ لوٹنے، نہ ہدایت پانے، نہ سنانے وغیرہ کا ذکر ہوگا تو ان لفظوں سے مراد کافر ہونگے یعنی دل کے مردے، دل کے اندھے وغیرہ عام مردے وغیرہ مراد نہ ہوں گے اور ان کے نہ سنانے سے مراد ان کا ہدایت نہ پانا ہوگا نہ کہ واقع میں نہ سننا۔ اور ان آیات کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ ان دل کے مردے، اندھے، بہرے کافروں کو نہیں سنا سکتے جس سے وہ ہدایت پر آجاویں یہ مطلب نہ ہوگا کہ آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے مثال یہ ہے۔

﴿۱﴾ صُمٌّۢ بُکۡمٌ عُمۡیٌ فَہُمۡ لَا یَرۡجِعُوۡنَ ۝ (پ ۱، البقرۃ: ۱۸) یہ کافر بہرے، گونگے، اندھے ہیں پس وہ نہ لوٹیں گے۔

﴿۲﴾ اِنَّکَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰی وَلَا تُسۡمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ (پ ۲۰،النمل: ۸۰) تم ان مردوں (کافروں) کو نہیں سنا سکتے اور نہ تم بہروں کو سنا سکتے ہو۔

﴿۳﴾ وَمَنۡ کَانَ فِیۡ ہٰذِہٖۤ اَعۡمٰی فَھُوَ فِی الۡاٰخِرَۃِ اَعۡمٰی وَاَضَلُّ سَبِیۡلًا ۝ (پ ۱۵،بنیٓ اسرآءیل: ۷۲) جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہے اور راستے سے بہکا ہوا ہے۔

یہ آیات قرآن شریف میں بہت جگہ آئی ہیں اور ان سب میں مردوں، اندھوں، بہروں سے مراد کفار ہی ہیں نہ کہ ظاہری آنکھوں کے اندھے اور بے جان مردے۔ ان آیات کی تفسیر ان آیتوں سے ہو رہی ہے۔

﴿۱﴾ اِنَّکَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰی وَلَا تُسۡمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوۡا مُدۡبِرِیۡنَ ۝ وَمَاۤ اَنۡتَ بِھٰدِی الۡعُمۡیِ عَنۡ ضَلٰلَتِھِمۡ ؕ اِنۡ تُسۡمِعُ اِلَّا مَنۡ یُّؤۡمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَھُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ۝ (پ ۲۰،النمل: ۸۰،۸۱) بے شک تم نہیں سنا سکتے مردوں کو اور نہ سنا سکتے ہو بہروں کو جب پھریں پیٹھ دے کر اور نہ تم اندھوں کو ہدایت کرنے والے ہو۔ نہیں سنا سکتے تم مگر ان کو جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ مسلمان ہیں۔

اس آیت میں مردے اور اندھے، بہرے کا مقابلہ مومن سے کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ مردوں سے مراد کافر ہیں۔

﴿۲﴾ وَالَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ فِیۡۤ اٰذَانِھِمۡ وَقۡرٌ وَّھُوَ عَلَیۡھِمۡ عَمًی ؕ اُولٰٓئِکَ یُنَادَوۡنَ مِنۡ مَّکَانٍۭ بَعِیۡدٍ ۝ (پ ۲۴،حٰمٓ السجدۃ: ۴۴) اور جو ایمان نہیں لائے ان کے کانوں میں ٹینٹ ہیں اور وہ ان پر اندھا پن ہے گویا وہ دور جگہ سے پکارے جا رہے ہیں۔

اس آیت نے بتایا کہ کافر گویا اندھا، بہرا ہے۔

﴿۳﴾ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فَاَصَمَّھُمْ وَاَعْمٰٓی اَبْصَارَھُمْ ٥ (پ ۲۶،محمد:۲۳)

یہ کفار وہ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کردی پس انہیں بہرا کردیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کردیا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ لعنت سے آدمی اندھا، بہرا ہوجاتا ہے یعنی دل کا اندھا، بہرا۔

﴿۴﴾ وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رُّسُلِنَآ ۙ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِھَۃً یُّعْبَدُوْنَ ٥ (پ ۲۵،الزخرف:۴۵)

جو رسول ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ان سے پوچھئے کہ کیا ہم نے اللہ کے سوا اور معبود بنائے ہیں جن کی پوجا کی جاوے۔

اس آیت نے بتایا کہ اللہ کے پیارے بندے وفات کے بعد سنتے بھی ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں۔ اگر گزشتہ وفات یافتہ پیغمبر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا کلام نہ سنتے یا جواب نہ دیتے تو ان سے پوچھنے کے کیا معنی تھے۔ مردوں کے سننے کی اور آیات بھی ہیں جو پہلے باب میں دعا کے معنی میں بیان کی جاچکیں۔

ہماری ان مذکورہ آیتوں نے بتادیا کہ جہاں مردوں کے سننے سنانے کی نفی کی گئی ہے وہاں مردوں سے مراد کافر ہیں۔ ان آیتوں سے یہ ثابت کرنا کہ مردے سنتے نہیں بالکل جہالت ہے ورنہ التحیات میں حضور کو سلام اور قبرستان میں مردوں کو سلام نہ کرایا جاتا کیونکہ نہ سننے والے کو سلام کرنا منع ہے۔ اسی لئے سوتے ہوئے کو سلام نہیں کرسکتے۔

قاعدہ نمبر ۱۳

جب مومن کو ایمان کا حکم دیا جائے یا نبی کو تقویٰ کا حکم ہو تو اس سے مراد ایمان اور تقویٰ پر قائم رہنا ہوگا کیونکہ وہاں ایمان وتقویٰ تو پہلے ہی موجود ہے اور تحصیل حاصل محال ہے۔اس کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا (پ ۵، النسآء: ۱۳۶) اے ایمان والو! ایمان لاؤ یعنی ایمان پر قائم رہو۔

﴿۲﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ (پ ۲۱، الاحزاب: ۱) اے نبی اللہ سے ڈرو یعنی اللہ سے ڈرے جاؤ۔

﴿۳﴾ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (پ ۲۷، الحدید: ۷) اے مومنو! اللہ ورسول پر ایمان لاؤ یعنی ایمان پر قائم رہو۔

ان جیسی تمام آیات میں ایمان وتقویٰ پر استقامت مراد ہے تاکہ ترجمہ درست ہو، نیز مسلمانوں کو احکام عمل کرنے کے لئے دیئے جاتے ہیں اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو احکام اس لئے دیئے جاتے ہیں تاکہ وہ عمل کرائیں۔ جیسے جہاز کے مسافر پار اترنے کے لئے جہاز میں سوار ہوتے ہیں اور کپتان پار اتارنے کے لئے وہاں بیٹھتا ہے اسی لئے مسافر کرایہ دے کر اور کپتان تنخواہ لے کر سوار ہوتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۱۴

الف: جب "خلق" کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس سے مراد پیدا کرنا ہوگی یعنی نیست کو ہست کرنا۔

ب: جب ''خلق'' کی نسبت بندے کی طرف ہوتو اس سے مراد ہوگی بنانا، گھڑنا۔

''الف'' کی مثال یہ آیات ہیں:

﴿۱﴾ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (پ۲۹،الملک:۲)

اللہ نے پیدا کیا موت اور زندگی کو تا کہ تمہارا امتحان کرے کہ کون اچھے عمل والا ہے۔

﴿۲﴾ وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ ج وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ○ (پ۷،الانعام:۱۰۱)

اور پیدا کیا اللہ نے ہر چیز کو اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

﴿۳﴾ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ (پ۱،البقرۃ:۲۱)

اللہ نے پیدا کیا تم کو اور تم سے پہلے والوں کو۔

ان جیسی تمام آیتوں میں ''خلق'' کے معنی پیدا کرنا ہے کیونکہ اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔

''ب'' کی مثال یہ ہے۔

﴿۱﴾ اَنِّیْ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ (پ۳،اٰل عمرٰن:۴۹)

عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں بناتا ہوں تمہارے لئے مٹی سے پرندہ کی شکل۔

﴿۲﴾ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْکًا (پ۲۰،العنکبوت:۱۷)

تم خدا کے سوا بتوں کو پوجتے ہو اور جھوٹ گھڑتے ہو۔

﴿۳﴾ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ ○ (پ۱۸،المؤمنون:۱۴)

پس بڑی برکت والا ہے اللہ سب سے بہتر بنانے والا ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۵

الف: حکم، گواہی، وکالت، حساب لینا، مالک ہونا۔ ان چیزوں کو جہاں قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کیا گیا ہے وہاں حقیقی، دائمی، مستقل مراد ہوگا مثلا کہا جاوے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مالک ہے یا خدا کے سواء کسی کو وکیل نہ بناؤ تو مراد حقیقی دائمی مالک و مستقل وکیل ہے۔

ب: جب ان چیزوں کو بندوں کی طرف نسبت کیا جاوے تو ان سے مراد عارضی، عطائی، مجازی ہوں گے۔

''الف'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ — نہیں ہے حکم مگر اللہ تعالیٰ کا۔
(پ۷، الانعام:۵۷)

﴿۲﴾ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیۡدًا ○ — اور اللہ ہی کافی گواہ ہے۔
(پ۵، النسآء:۷۹)

﴿۳﴾ اَلَّا تَتَّخِذُوۡا مِنۡ دُوۡنِیۡ وَکِیۡلًا ○ — میرے سوا کسی کو وکیل نہ بناؤ۔
(پ۱۵، بنیۤ اسرآءیل:۲)

﴿۴﴾ وَ کَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیۡلًا ○ — آپ کا رب کافی وکیل ہے۔
(پ۱۵، بنیۤ اسرآءیل:۶۵)

﴿۵﴾ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ عَلَیۡہِمۡ وَکِیۡلًا ○ (پ۱۵، بنیۤ اسرآءیل:۵۴) — ہم نے آپ کو ان کافروں پر وکیل بنا کر نہ بھیجا۔

﴿۶﴾ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝ آپ ان کافروں پر وکیل نہیں۔

(پ۷، الانعام:۱۰۷)

﴿۷﴾ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝ اور اللہ کافی ہے حساب لینے والا۔

(پ٤، النسآء:٦)

﴿۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ (پ٤، ال عمرٰن:۱۲۹) صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت ہیں وہ چیزیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔

﴿۹﴾ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝ پس اللہ تعالیٰ ہی کو وکیل بناؤ۔

(پ۲۹، المزمل:۹)

ان جیسی ساری آیتوں میں حقیقی مالک، حقیقی وکیل، حقیقی گواہ، حقیقی حساب لینے والا مراد ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی حاکم نہیں، کوئی حقیقی مالک، حقیقی وکیل، حقیقی گواہ نہیں جیسے کہ سکندر نامے میں ہے۔

پناہ بلندی و پستی توئی
ہمہ نیست اند، آنچہ ہستی توئی

''ب'' کی مثال ان آیات میں ہے:

﴿۱﴾ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا (پ۵، النسآء:۳۵) اور اگر تم خاوند و بیوی کی مخالفت کا اندیشہ کرو تو ایک حکم پنچ خاوند والوں کی طرف سے اور دوسرا حکم پنچ عورت والوں کی طرف سے بھیجو۔

﴿۲﴾ وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ (پ۵،النسآء:۵۸)	اور جب تم لوگوں کے درمیان حکومت (فیصلہ) کرو تو انصاف سے کرو۔
﴿۳﴾ فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ (پ۵،النسآء:۶۵)	پس آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہ ہوں گے ، یہاں تک کہ آپ کو اپنے اختلافات میں حاکم مان لیں۔
﴿۴﴾ وَلَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِھَآ اِلَی الْحُکَّامِ (پ۱،البقرۃ:۱۸۸)	اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ حاکموں کے پاس ان کا مقدمہ لے جاؤ۔
﴿۵﴾ وَاَشْھِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْکُمْ (پ۲۸،الطلاق:۲)	اور اپنے میں سے دو پرہیز گاروں کو گواہ بناؤ۔
﴿۶﴾ کَفٰی بِنَفْسِکَ الْیَوْمَ عَلَیْکَ حَسِیْبًاO (پ۱۵،بنیٓ اسرآءیل:۱۴)	آج تو اپنے پر خود ہی کافی حساب لینے والا ہے۔
﴿۷﴾ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ (پ۵،النسآء:۲۴)	اور حرام ہیں تم پر شوہر والی عورتیں سواء ان کے جن کے تم مالک ہو۔
﴿۸﴾ وَاسْتَشْھِدُوْا شَھِیْدَیْنِ مِنْ رِّجَالِکُمْ (پ۳،البقرۃ:۲۸۲)	اور اپنے مردوں میں سے دو گواہ بنالو۔

﴿۹﴾ شَهَادَةُ بَيۡنِكُمۡ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الۡمَوۡتُ حِيۡنَ الۡوَصِيَّةِ اثۡنٰنِ ذَوَا عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ

تمہاری آپس کی گواہی جب تم میں سے کسی کو موت آوے وصیت کرتے وقت تو تم میں سے دو معتبر شخص ہیں۔

(پ۷،المآئدۃ:۱۰۶)

ان جیسی تمام آیتوں میں عارضی، غیر مستقل، عطائی ملکیت، گواہی، وکالت، حکومت، حساب لینا، بندوں کے لئے ثابت کیا گیا ہے یعنی اللہ کے بندے مجازی طور پر حاکم ہیں، وکیل ہیں، گواہ ہیں لہٰذا آیات میں تعارض نہیں، جیسے سمیع، بصیر، حی وغیرہ اللہ کی صفتیں ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: **اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ** (پ۱۵، بنیٓ اسراء یل:۱) اللہ تعالیٰ ہی سننے والا دیکھنے والا ہے اور بندوں کی بھی صفتیں یہ ہیں۔ فرماتا ہے: **فَجَعَلۡنٰهُ سَمِيۡعًاۢ بَصِيۡرًا** (پ۲۹،الدھر:۲)۔ ہم نے انسان کو سننے والا، دیکھنے والا بنادیا، اللہ کا سننا، دیکھنا۔ دائمی، غیر محدود، مستقل، ذاتی ہے اور بندوں کا دیکھنا، سننا، زندہ ہونا۔ عارضی، محدود، عطائی، غیر مستقل ہے۔ اسی لئے خدا تعالیٰ کا نام بھی "علی" ہے۔ **وَهُوَ الۡعَلِيُّ الۡعَظِيۡمُ** (پ۳،البقرۃ:۲۵۵) اور حضرت علی مرتضیٰ کا نام علی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے "مولنا" **اَنۡتَ مَوۡلٰنَا** (پ۳،البقرۃ:۲۸۶) اور عالموں کو مولانا صاحب کہا جاتا ہے مگر اللہ کا علی یا مولیٰ ہونا اور طرح کا ہے اور بندوں کا علی اور مولیٰ ہونا کچھ اور قسم کا یہ فرق ضروری ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۶

الف: جہاں علم غیب کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کیا جاوے یا اس کی بندوں

سے نفی کی جاوے تو اس علم غیب سے ذاتی، دائمی، جمیع علوم غیبیہ، قدیمی مراد ہوگا۔

ب: جہاں علم غیب بندوں کے لئے ثابت کیا جاوے یا کسی نبی کا قول قرآن میں نقل کیا جاوے کہ فلاں پیغمبر نے فرمایا کہ میں غیب جانتا ہوں وہاں مجازی، حادث، عطائی علم غیب مراد ہوگا جیسا کہ قاعدہ نمبر ۱۵ میں دیگر صفات کے بارے میں بیان کر دیا گیا۔

''الف'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ **قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ** (پ۲۰، النمل:۶۵)
تم فرمادو کہ آسمانوں اور زمین میں غیب کوئی نہیں جانتا اللہ کے سوا۔

﴿۲﴾ **عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ** (پ۷، الانعام:۵۹)
اس رب کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

﴿۳﴾ **اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ** (پ۲۱، لقمٰن:۳۴)
قیامت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔

﴿۴﴾ **وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ** (پ۲۱، لقمٰن:۳۴)
اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کل کیا کمائے گی اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں مرے گی۔

﴿۵﴾ **وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ** (پ۹، الاعراف:۱۸۸)
اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت خیر جمع کر لیتا۔

ان جیسی تمام آیات میں علم غیب ذاتی یا قدیمی یا مستقل مراد ہے اس کی نفی

بندوں سے کی جارہی ہے۔ ب کی مثال یہ آیات ہیں:

﴿۱﴾ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ (پ۱،البقرۃ:۲،۳)

قرآن ان پرہیزگاروں کا ہادی ہے جو غیب پر ایمان لائیں (ظاہر ہے کہ غیب پر ایمان جان کر ہی ہوگا)

﴿۲﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (پ۲۹،الجن:۲۶،۲۷)

اللہ غیب کا جاننے والا ہے پس نہیں مطلع کرتا اپنے غیب پر کسی کو سوا پسندیدہ رسول کے۔

﴿۳﴾ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ (پ۵،النسآء:۱۱۳)

اور سکھا دیا آپ کو وہ جو آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔

﴿۴﴾ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (پ۸،الاعراف:۶۲)

یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ جانتا ہوں میں اللہ کی طرف سے وہ جو آپ نہیں جانتے

﴿۵﴾ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ لا فِيْ بُيُوْتِكُمْ (پ۳،اٰل عمرٰن:۴۹)

اور خبر دیتا ہوں میں تمہیں جو تم اپنے گھروں میں کھاتے ہو اور جو جمع کرتے ہو۔

﴿۶﴾ قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ط ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ (پ۱۳،یوسف:۳۷)

یوسف علیہ السلام نے فرمایا جو کھانا تمہیں ملا کرتا ہے وہ تمہارے پاس نہ آئیگا کہ میں اس کی تعبیر اس کے آنے سے پہلے تمہیں بتا دوں گا یہ ان علموں میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے۔

﴿۷﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ۝ اور وہ نبی غیب بتانے پر بخیل نہیں۔

(پ ۳۰، التکویر: ۲٤)

ان جیسی تمام آیتوں میں علم غیب عطائی، غیر مستقل، حادث، عارضی مراد ہے کیونکہ یہ علم غیب بندہ کی صفت ہے جب بندہ خود غیر مستقل اور حادث ہے تو اس کی تمام صفات بھی ایسی ہی ہوں گی۔

قاعدہ نمبر ۱۷

الف: جن آیتوں میں شفاعت کی نفی ہے وہاں یا تو دھونس کی شفاعت مراد ہے یا کفار کے لئے شفاعت یا بتوں کی شفاعت مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے جبراً شفاعت کوئی نہیں کرسکتا یا کافروں کی شفاعت نہیں یا بت شفیع نہیں۔

ب: جہاں قرآن شریف میں شفاعت کا ثبوت ہے وہاں اللہ کے پیاروں کی مومنوں کے لئے محبت والی شفاعت بالاذن مراد ہے یعنی اللہ کے پیارے بندے مومنوں کو اللہ تعالیٰ کی اجازت سے محبوبیت کی بنا پر بخشوائیں گے۔

''الف'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ (پ۳، البقرۃ: ۲٥٤) وہ قیامت کا دن جس میں نہ خرید وفروخت ہے نہ دوستی نہ شفاعت۔

﴿۲﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ۝ (پ۱، البقرۃ: ۱۲۳) اور اس دن سے ڈرو کہ کوئی جان دوسرے کا بدلہ نہ ہوگی اور نہ اس کو کچھ لے کر چھوڑ دیں اور نہ اسے کوئی شفاعت نفع دے اور نہ ان کی مدد ہو۔

﴿۳﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَؕ (پ۲۹،المدثر:۴۸) پس نہ نفع دے گی ان کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت ۔

﴿۴﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ (پ۲۴،الزمر:۴۳) کیا کافروں نے اللہ کے مقابل سفارشی بنا رکھے ہیں۔

﴿۵﴾ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّ لَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُؕ (پ۲۴،المؤمن:۱۸) اور ظالموں کا نہ کوئی دوست نہ کوئی سفارشی جس کا کہا مانا جائے۔

﴿۶﴾ وَ لَا یَمْلِكُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ (پ۲۵،الزخرف:۸۶) شفاعت کا اختیار نہیں سواء ان کے جو حق کی گواہی دیں اور علم رکھیں۔

﴿۷﴾ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا شَفِیْعٍ (پ۲۱،السجدۃ:۴) اللہ سے الگ ہو کر نہ تمہارا کوئی دوست ہے نہ سفارشی۔

ان جیسی تمام آیتوں میں کفار کی شفاعت، بتوں کی شفاعت، جبری شفاعت کا انکار ہے۔ ان آیتوں کو نبیوں، ولیوں یا مومنوں کی شفاعت سے کوئی تعلق نہیں۔

ب کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ وَ صَلِّ عَلَیْهِمْؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (پ۱۱،التوبۃ:۱۰۳) اور آپ انہیں دعا دیں بے شک آپ کی دعا ان کے دل کا چین ہے۔

﴿۲﴾ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (پ۳،البقرۃ:۲۵۵) وہ کون ہے جو رب کے نزدیک اس کی بے اجازت شفاعت کرے۔

﴿۳﴾ لَا یَمۡلِکُوۡنَ الشَّفَاعَۃَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنۡدَ الرَّحۡمٰنِ عَہۡدًا ۝ (پ۱۶،مریم:۸۷)

یہ لوگ شفاعت کے مالک نہیں سواء ان کے جنہوں نے رب کے نزدیک عہد لے لیا ہے۔

﴿۴﴾ وَلَا یَشۡفَعُوۡنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارۡتَضٰی (پ۱۷،الانبیآء:۲۸)

یہ حضرات نہ شفاعت کریں گے مگر اس کی جس سے رب راضی ہوا (مومن کی)۔

﴿۵﴾ لَا تَنۡفَعُ الشَّفَاعَۃُ اِلَّا مَنۡ اَذِنَ لَہُ الرَّحۡمٰنُ وَرَضِیَ لَہٗ قَوۡلًا ۝ (پ۱۶،طٰہٰ:۱۰۹)

شفاعت نفع نہ دے گی مگر ان کو جس کے لئے رب نے اجازت دی اور اس کے کلام سے رب راضی ہوا۔

ان جیسی بہت سی آیتوں میں مسلمانوں کی شفاعت مراد ہے جو اللہ کے پیارے بندے کریں گے تاکہ آیات میں تعارض نہ ہو۔

نوٹ ضروری: جس حدیث میں ارشاد ہے کہ سنت چھوڑنے والا شفاعت سے محروم ہے۔اس سے بلندی درجات کی شفاعت مراد ہے یعنی اس کے درجے بلند نہ کرائے جائیں گے کیونکہ دوسری روایت میں ہے کہ گناہ کبیرہ والوں کے لئے شفاعت ہے یعنی بخشش کی شفاعت، نیز بعض روایات میں ہے کہ زکوٰۃ نہ دینے والے اپنے جانور اور مال کندھے پر لادے ہوئے حاضر بارگاہ نبوی ہوں گے اور شفاعت کی درخواست کریں گے مگر انہیں شفاعت سے منع کر دیا جاوے گا۔اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ کے منکر ہو کر کافر ہو گئے تھے اور کافر کی شفاعت نہیں جیسے خلافت صدیقی میں بعض لوگ زکوٰۃ کے منکر ہو گئے یا مراد ہے شفاعت نہ کرنا نہ کہ نہ کر سکنا، اس کا بہت خیال چاہیے یہاں بہت دھوکا لگتا ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۸

الف: جب غیر خدا کو پکارنے سے منع فرمایا جاوے، یا پکارنے والوں کی برائی بیان ہو تو اس پکارنے سے مراد معبود سمجھ کر پکارنا ہے یعنی پوجنا۔

ب: جہاں غیر خدا کو پکارنے کا حکم ہے یا اس پکارنے پر ناراضگی کا اظہار نہ ہو تو اس سے مراد بلانا یا پکارنا ہی ہوگا۔

''الف'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (پ۲۶،الاحقاف:۵)
اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو خدا کے سوا پوجے۔

﴿۲﴾ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًاo (پ۲۹،الجن:۱۸)
اور اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پوجو۔

ان جیسی صدہا آیتوں میں دعا کے معنی پوجنا ہے یعنی معبود سمجھ کر پکارنا نہ کہ محض پکارنا۔

''ب'' کی مثال ان آیات میں ہے:

﴿۱﴾ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (پ۱۱،یونس:۳۸)
اللہ کے سوا جس کو طاقت رکھتے ہو بلا لو۔

﴿۲﴾ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ (پ۲۱،الاحزاب:۵)
پکارو انہیں ان کے باپوں کی نسبت سے۔

ان جیسی صدہا آیات میں دعا کے معنی پکارنا یا بلانا ہے۔ اس کی پوری تحقیق پہلے باب میں دعا کی بحث میں گذر چکی، وہاں مطالعہ کرو۔

قاعدہ نمبر ۱۹

الف: جب غیر خدا کو ولی بنانے سے منع کیا جائے یا ولی ماننے والوں پر ناراضگی اور عتاب ہو یا ایسے کو مشرک کافر کہا جائے تو ولی سے مراد معبود یا رب کے مقابل مددگار ہوگا یا آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ قیامت میں کافروں کا مددگار کوئی نہیں۔

ب: جب غیر خدا کو ولی بنانے کا حکم دیا جاوے یا اس پر ناراضگی کا اظہار نہ ہو تو ولی سے مراد دوست، مددگار باذن اللہ یا قریب ہوگا۔

''الف'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ؕ (پ۲۵،الشوریٰ:۸)
اور ظالموں کیلئے نہ کوئی دوست ہے نہ مددگار۔

﴿۲﴾ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ؕ (پ۱،البقرۃ:۱۰۷)
اللہ کے مقابل تمہارا نہ کوئی دوست ہے اور نہ مددگار۔

ان جیسی صدہا آیتوں میں اللہ کے مقابل مددگار مراد ہے، ایسا مددگار ماننا کفر ہے۔

''ب'' کی مثال ان آیات میں ہے:

﴿۱﴾ اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ؕ (پ۶،المآئدۃ:۵۵)
تمہارا مددگار اللہ اور اس کا رسول اور وہ مسلمان ہیں جو زکوٰۃ دیتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

﴿۲﴾ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ۚۙ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِیْرًا ؕ (پ۷،النسآء:۷۵)
ہمارے لئے اپنی طرف سے دوست بنا اور ہمارے لئے اپنی طرف سے مددگار بنادے۔

ان جیسی بے شمار آیتوں میں اللہ کے اذن سے مددگار مراد ہیں۔ اس کی پوری تفصیل پہلے باب میں ولی کی بحث میں گذر چکی۔ وہاں مطالعہ کرو۔

قاعدہ نمبر ۲۰

الف: جہاں وسیلہ کا انکار ہے وہاں بتوں کا وسیلہ یا کفار کے لئے وسیلہ مراد ہے۔ یا وہ وسیلہ مراد ہے جس کی پوجا پاٹ کی جاوے۔

ب: جہاں وسیلہ کا ثبوت ہے، وہاں رب کے پیاروں کا وسیلہ یا مومنوں کے لیے وسیلہ مراد ہے تا کہ آیتوں میں تعارض واقع نہ ہو۔

''الف'' کی مثال یہ ہے:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (پ۲۳،الزمر:۳) — نہیں پوجتے ہیں ہم ان بتوں کو مگر اس لئے تا کہ وہ ہمیں خدا سے قریب کردیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین عرب اپنے بتوں کو جو اللہ کے دشمن ہیں خدا رسی کا وسیلہ سمجھ کر پوجتے تھے یعنی ان کے شرک کی وجہ دو ہوئیں۔ ایک دشمنان خدا کو اس تک پہنچنے کا وسیلہ سمجھنا، دوسرے انہیں پوجنا، صرف وسیلہ اختیار کرنے کی وجہ سے مشرک نہ ہوئے۔ ''ب'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ (پ۶،المآئدۃ:۳۵) — اس رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔

﴿۲﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ (پ۵،النسآء:۶۴) — اور اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر کے آپ کے حضور آجاویں پھر خدا سے معافی مانگیں اور رسول بھی ان کے لئے دعا مغفرت کریں تو اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پاویں۔

﴿۳﴾ وَیُزَکِّیۡہِمۡ وَیُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ (پ٤،اٰل عمرٰن:١٦٤)

اور وہ رسول انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتے ہیں۔

﴿۴﴾ قُلۡ یَتَوَفّٰىکُمۡ مَّلَکُ الۡمَوۡتِ الَّذِیۡ وُکِّلَ بِکُمۡ (پ٢١،السجدۃ:١١)

فرماؤ کہ تمہیں موت دے گا وہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے۔

ان جیسی تمام آیتوں میں وسیلہ کا ثبوت ہے مگر وہی وسیلہ مراد ہے جو اللہ کے اذن اور اجازت سے اس کا پیارا بندہ رب تک پہنچائے۔

نوٹ ضروری: وسیلہ اسلام میں بڑی اہم چیز ہے کیونکہ سارے اعمال موت پر ختم ہو جاتے ہیں مگر وسیلہ پکڑنا موت، قبر، حشر ہر جگہ ضروری ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام پر موت ہو، قبر میں ان کے نام پر کامیابی ہو، حشر میں ان کے طفیل نجات ہو، نیز اور اعمال کی ضرورت صرف انسانوں کو ہے مگر وسیلہ کی ضرورت ہر مخلوق کو دیکھو کعبہ معظّمہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ کے بغیر قبلہ نہ بنا اور حضور کے ہاتھوں کے بغیر بتوں کی گندگی سے پاک نہ ہو سکا۔ وسیلہ کا انکار اسلام کے بڑے اہم مسئلہ کا انکار ہے۔

قاعدہ نمبر ۲۱

الف: جن آیتوں میں فرمایا گیا ہے کہ انسان کو صرف اپنے عمل ہی کام آویں گے یا فرمایا گیا ہے کہ نہیں ہے انسان کے لئے مگر وہ جو خود کرے، اس سے مراد بدنی فرض عبادتیں ہیں یا یہ مطلب ہے کہ قابل اعتماد اپنے اعمال ہیں کسی کے بھیجنے کا یقین نہیں۔

ب: جن آیتوں میں فرمایا گیا ہے کہ دوسروں کی نیکی اپنے کام آتی ہے۔

اس سے مراد اعمال کا ثواب ہے یا مصیبت دور ہونا یا درجے بلند ہونا۔

''الف'' کی مثال یہ ہے۔

﴿۱﴾ لَیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰیO (پ۲۷،النجم:۳۹) نہیں ہے انسان کیلئے مگر وہ جو کوشش کرے۔

﴿۲﴾ لَھَا مَا کَسَبَتۡ وَ عَلَیۡھَا مَا اکۡتَسَبَتۡ (پ۳،البقرۃ:۲۸۶) اس نفس کیلئے مفید ہیں وہ عمل جو خود کرے اور اس کو مضر ہیں وہ گناہ جو خود کرے۔

ان دنوں آیتوں کا منشا یہ ہے کہ کوئی کسی کی طرف سے فرض نماز نہیں پڑھ سکتا، فرضی روزہ نہیں رکھ سکتا، ان آیتوں میں اسی لئے سعی اور کسب کا ذکر ہے یا منشاء یہ ہے کہ اپنی ملکیت انہی عملوں پر ہے جو خود کر لئے جاویں کیا خبر کوئی دوسرا ثواب بھیجے یا نہ بھیجے۔اس کے بھروسا پر خود غافل رہنا بیوقوفی ہے۔''ب'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ وَکَانَ تَحۡتَہٗ کَنۡزٌ لَّھُمَا وَکَانَ اَبُوۡھُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّکَ اَنۡ یَّبۡلُغَاۤ اَشُدَّھُمَا وَیَسۡتَخۡرِجَا کَنۡزَھُمَا (پ۱۶،الکھف:۸۲) حضرت خضر نے فرمایا کہ اس دیوار کے نیچے دو یتیموں کا خزانہ ہے اور ان کا باپ نیک تھا پس تمہارے رب نے چاہا کہ یہ بالغ ہوں تو اپنا خزانہ نکالیں۔

﴿۲﴾ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَاتَّبَعَتۡھُمۡ ذُرِّیَّتُھُمۡ بِاِیۡمَانٍ اَلۡحَقۡنَا بِھِمۡ ذُرِّیَّتَھُمۡ وَمَاۤ اَلَتۡنٰھُمۡ مِّنۡ عَمَلِھِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ (پ۲۷،الطور:۲۱) اور جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہم نے ان کی اولاد ان سے ملا دی اور ان کے عمل میں انہیں کچھ کمی نہ دی۔

پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ جس گرتی ہوئی دیوار کی مرمت حضرت خضر و موسیٰ علیہما السلام نے کی۔ وجہ صرف یہ تھی کہ اس کے نیچے خزانہ تھا جو ایک نیک آدمی کا تھا۔ اس کے دو چھوٹے بچے تھے، رب تعالیٰ نے چاہا کہ دیوار کھڑی رہے اور خزانہ محفوظ رہے تا کہ بچے جوان ہو کر نکال لیں۔ اس لئے دو پیغمبروں کو اس کی مرمت کے لئے بھیجا، ان نابالغ یتیموں پر یہ مہربانی ان کے باپ کی نیکی کی وجہ سے ہوئی۔

دوسری آیت سے معلوم ہوا کہ نیکوں کی مومن اولاد جنت میں اپنے ماں باپ کے ساتھ رہے گی اگرچہ اولاد کے اعمال باپ سے کم درجہ کے ہوں۔ ایسے ہی نابالغ بچے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرزندان حضرت طیب وطاہر و قاسم و ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہم جنت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں گے حالانکہ کوئی نیکی نہ کی۔ معلوم ہوا کہ کسی کی نیکی دوسرے کے کام آجاتی ہے۔ اسی وجہ سے ایصال ثواب، فاتحہ وغیرہ کرتے ہیں بلکہ حج بدل بھی دوسرے کی طرف سے کر سکتے ہیں۔ اور زکوۃ میں دوسرے کے نائب بن سکتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۲۲

الف: جن آیتوں میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت میں کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اس کا مطلب ہے کہ بخوشی نہ اٹھائے گا یا اس طرح نہ اٹھائے گا جس سے مجرم آزاد ہو جائے گا۔

ب: جن آیتوں میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت میں بعض لوگ بعض کا بوجھ اٹھائیں گے اس کا مطلب یہ ہے کہ مجبوراً اٹھائیں گے یا یہ بھی اٹھائیں گے اور مجرم بھی

یہ تو اٹھائیں گے گناہ کرانے کی وجہ سے اور مجرم بوجھ اٹھائے گا گناہ کرنے کی وجہ سے۔

''الف'' کی مثال یہ آیت ہے:

﴿۱﴾ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ج وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (پ۸،الانعام:۱۶۴)

اور نہ کمائے گا کوئی نفس مگر اپنے ذمہ پر اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔

﴿۲﴾ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ قف وَ اِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا (پ۱۵، بنیٓ اسرآءیل:۷)

اگر تم بھلائی کرو گے تو اپنے لئے بھلائی کرو گے اور اگر برا کرو گے تو اپنا۔

﴿۳﴾ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ ج وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا (پ۱۵، بنیٓ اسرآءیل:۱۵)

جو راہ پر آیا وہ اپنے ہی بھلے کو راہ پر آیا اور جو بہکا وہ اپنے ہی برے کو بہکا۔

﴿۴﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ط وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ط اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ O (پ۲۰،العنکبوت:۱۲)

اور کافر مسلمانوں سے بولے ہماری راہ پر چلو اور ہم تمہارے گناہ اٹھالیں گے حالانکہ وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ نہ اٹھائیں گے بے شک وہ جھوٹے ہیں۔

﴿۵﴾ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ج وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ O (پ۱،البقرۃ:۱۳۴)

اس جماعت کے لئے وہ ہے جو وہ خود کما گئی تمہارے لئے تمہاری کمائی ہے اور تم ان کے اعمال سے نہ پوچھے جاؤ گے۔

ان تمام آیتوں سے معلوم ہوا کہ کسی کی پکڑ دوسرے کی وجہ سے نہ ہوگی اورکوئی کسی کا نہ گناہ اٹھائے نہ نیکی سے فائدہ پائے بلکہ اپنی کرنی اپنی بھرنی ہے۔

''ب'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ وَلَیَحۡمِلُنَّ اَثۡقَالَهُمۡ وَاَثۡقَالًا مَّعَ اَثۡقَالِهِمۡ ز وَلَیُسۡـَٔلُنَّ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ عَمَّا كَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ۠ (پ ۲۰،العنکبوت:۱۳)

اور بے شک ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھ اور ضرور قیامت کے دن پوچھے جائیں گے جو کچھ بہتان اٹھاتے تھے۔

﴿۲﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ وَاَهۡلِیۡكُمۡ نَارًا وَّقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ۔ (پ۲۸،التحریم:۶)

اے ایمان والو! اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔

﴿۳﴾ وَاتَّقُوۡا فِتۡنَةً لَّا تُصِیۡبَنَّ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡكُمۡ خَآصَّةً ج وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ۠ (پ۹،الانفال:۲۵)

اور اس فتنہ سے ڈرتے رہو جو ہرگز تم میں سے خاص ظالموں کو ہی نہ پہنچے گا، اور جان لو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔

﴿۴﴾ وَلَا تَكُوۡنُوۡۤا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ (پ۱،البقرۃ:۴۱)

تم قرآن کے پہلے کافر نہ بنو۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ قیامت میں بعض گنہگار دوسرے مجرموں کا بھی بوجھ اٹھائیں گے اور یہ بھی پتا لگا کہ بعض کے گناہوں کی وجہ سے دنیا میں بھی دوسروں پر مصیبت آجاتی ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنی نجات کے لئے اپنے گھر والوں کو ہدایت

دینا ضروری ہے۔ مطابقت اسی طرح ہوگی جو ہم نے عرض کردیا کہ بخوشی کوئی کسی کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور کوئی دوسرے کا بوجھ اس طرح نہ اٹھائے گا کہ اصلی مجرم بالکل آزاد ہو جائے ہاں گمراہ کرانے والا بری باتوں کا موجد سارے مجرموں کا بوجھ اٹھائے گا یہ ضرور خیال رکھنا چاہیے۔

قاعدہ نمبر ۲۳

الف: جن آیتوں میں فرمایا گیا ہے کہ رسولوں میں فرق نہ کرو۔ وہاں ایمان میں فرق کرنا مراد ہے یعنی ایسے فرق نہ کرو کہ بعض کو مانو اور بعض کو نہ مانو یا مراد یہ ہے کہ اپنی طرف سے فرق پیدا نہ کرو یعنی ان کے فضائل اپنی طرف سے نہ گھٹاؤ یا ایسا فرق نہ کرو جس سے بعض پیغمبروں کی توہین ہو جاوے۔

ب: جن آیتوں میں فرمایا گیا کہ پیغمبروں میں فرق ہے وہاں درجات اور مراتب کا فرق مراد ہے یعنی بعض کے درجے بعض سے اعلیٰ ہیں۔

''الف'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (پ۳، البقرة:۲۸۵)

مسلمان کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسولوں میں فرق نہیں کرتے۔

﴿۲﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۠ (پ۶، النسآء:۱۵۲)

اور وہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور ان رسولوں میں سے کسی میں فرق نہ کرے۔ یہ وہ ہیں جنہیں رب ان کا ثواب دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ان آیتوں میں ایمان کا فرق مراد ہے یعنی بعض پیغمبروں کو ماننا اور بعض کو نہ ماننا یہ کفر ہے۔ایمان کے لئے سب نبیوں کو ماننا ضروری ہے اس کی تفسیر اس آیت نے کی۔

﴿۳﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوۡلُوۡنَ نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٍ وَّنَکۡفُرُ بِبَعۡضٍ ۙ وَّیُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا بَیۡنَ ذٰلِکَ سَبِیۡلًا ۙ (پ۶،النسآء:۱۵۰)

بے شک وہ لوگ جو کفر کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسولوں کا اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان میں رستہ بنالیں۔

اس آیت نے بتادیا کہ پیغمبروں کے درمیان ایمان لانے میں فرق کرنا منع ہے۔

''ب'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ تِلۡکَ الرُّسُلُ فَضَّلۡنَا بَعۡضَہُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ ۘ مِنۡہُمۡ مَّنۡ کَلَّمَ اللّٰہُ وَرَفَعَ بَعۡضَہُمۡ دَرَجٰتٍ (پ۳،البقرۃ:۲۵۳)

یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر بزرگی دی ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا اور بعض وہ ہیں جنہیں درجوں میں بلند کیا۔

﴿۲﴾ یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاہِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیۡرًا ۙ وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذۡنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیۡرًا ۙ (پ۲۲،الاحزاب:۴۵۔۴۶)

اے نبی ہم نے آپ کو بھیجا گواہ خوش خبریاں دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے اذن سے بلاتا اور چمکانے والا سورج۔

﴿۳﴾ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ۙ (پ۱۷،الانبیآء:۱۰۷)

اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام جہانوں کی رحمت۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ بعض پیغمبر بعض سے افضل ہیں اور خصوصاً ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سارے رسولوں میں ایسے ہیں جیسے تاروں میں سورج اور سارے جہان کی رحمت ہیں یہ صفات اوروں کو نہ ملیں۔

نوٹ ضروری: بعض احادیث میں آیا ہے کہ ہم کو یونس علیہ السلام پر بھی بزرگی نہ دو اور بعض میں آیا ہے کہ ہم تمام اولاد آدم کے سردار ہیں۔ ان احادیث میں مطابقت اسی طرح ہے کہ ایسی بزرگی دینا جس سے یونس علیہ السلام کی توہین ہو جاوے منع ہے اور اس طرح حضور کی شان بیان کرنا کہ ان حضرات کی عظمت برقرار رہے اور حضور کی شان معلوم ہو جائے۔ بالکل جائز بلکہ ضروری ہے۔

قاعدہ نمبر ۲۴

الف: قرآن شریف میں جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کہلوایا گیا ہے کہ مجھے خبر نہیں کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا۔ وہاں اٹکل، حساب، قیاس، اندازے سے جاننا مراد ہے۔ یعنی میں اندازے یا قیاس سے یہ نہیں جانتا۔

ب: اور جہاں اسکے خلاف ہے وہاں وحی، الہام کے ذریعہ سے علم دینا مراد ہے۔

''الف'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ وَمَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ ؕ (پ۲۶، الاحقاف: ۹)	اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جاوے گا اور تمہارے ساتھ کیا۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ آخرت کے معاملات نجوم، رمل، قیاس، حساب، اٹکل سے معلوم نہیں ہو سکتے میں باوجودیکہ پیغمبر ہوں اور پیغمبر کی عقل تمام دنیا سے بڑھ چڑھ کر ہوتی ہے لیکن میری کامل عقل ان باتوں کے جاننے کے لئے کافی نہیں میں بھی

عقل سے یہ چیزیں نہیں جانتا تو تم کیسے جان سکتے ہو۔ مجھے یہ علم وحی کے ذریعہ ہوا اور تم صاحب وحی نہیں ہو تو ایسی باتوں میں عقل پر زور نہ دیا کرو، اس کی تفسیر اسی آیت کے آخر میں یوں ہو رہی ہے۔

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ وَمَاۤ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝	میں نہیں پیروی کرتا مگر اس کی جو میری طرف وحی ہوتی ہے اور میں نہیں مگر صاف ڈر سنانے والا۔

(پ ۲٦ ، الاحقاف: ۹)

معلوم ہوا کہ آخرت کی پکڑ اور نجات وغیرہ وحی سے معلوم ہوتے ہیں جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر آتی ہے اس لئے اس آیت میں درایت کی نفی کی گئی۔ درایت کے معنی ہیں عقل سے جاننا، خدا تعالیٰ کے علم کو درایت نہیں کہتے کیونکہ وہ عقل سے پاک ہے، اس کا علم عقلی نہیں حضوری ہے۔ اس کی مثال یہ آیت ہے:

وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَ لَا الْاِیْمَانُ	اور یونہی ہم نے تمہیں وحی بھیجی ایک جاں فزا چیز اپنے حکم سے اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے نہ ایمان تفصیل دار۔

(پ ۲۵ ،الشورٰی: ۵۲)

اس آیت کا مطلب بھی یہ ہی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن اور ایمان کو عقل، قیاس، اندازے سے معلوم نہ فرمایا، بلکہ اس کا ذریعہ وحی الٰہی ہے۔ یہاں بھی داریت کی نفی ہے نہ کہ مطلق علم کی ورنہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ظہور نبوت سے پہلے عبادات کرتے تھے ایمان سے خبردار تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام کا ماں کی گود میں توحید، رسالت، احکام سے واقف ہونا قرآن شریف سے ثابت ہے کہ آپ نے اپنی پیدائش سے چند گھنٹے بعد قوم سے فرمایا۔

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ط اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّاo (پ۱۶،مریم:۳۰)

فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے اس نے کتاب دی اور نبی فرمایا۔

جب کلمۃ اللہ صلوات اللہ علیہ وسلامہ بچپن میں رب سے بے خبر نہیں تو جو حبیب اللہ ہوں وہ کیسے بے خبر ہوں گے۔لہٰذا اس آیت کے معنی وہ ہی ہیں جو عرض کئے گئے یعنی قیاس سے معلوم کرنا۔

''ب'' کی مثال اس آیت میں ہے:

﴿۱﴾ لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ (پ۲۶،الفتح:۲)

تاکہ بخش دے اللہ تمہارے طفیل تمہارے وہ گناہ جو اگلے ہیں اور پچھلے ہیں۔

یہاں تمہارے گناہ سے مراد امت کے وہ گناہ ہیں جن کا بخشوانا حضور کے ذمہ کرم پر ہے جیسے وکیل کہتا ہے میرا مقدمہ فتح ہوگیا یعنی وہ مقدمہ جس کی پیروی میرے ذمہ ہے نہ یہ مطلب کہ میں اس میں گرفتار ہوں کیونکہ نبی گناہ سے معصوم ہیں۔

﴿۱﴾ اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَo

ہم نے تم کو کوثر دے دیا۔

(پ۳۰،الکوثر:۱)

﴿۲﴾ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَo

ہم نے تمہارا ذکر اونچا کردیا۔

(پ۳۰،الانشراح:۴)

ان جیسی بہت سی آیات سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے انجام سے باخبر کئے گئے ہیں مگر یہ علم وحی کا ہے نہ کہ محض عقلی ،لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تو اپنی امت کے انجام کی بھی خبر رکھتے ہیں قرآن میں حضور کو شاہد فرمایا اور گواہ وہی ہوتا ہے جو واقعہ سے خبردار ہو۔اسی لئے فرمایا: حسن حسین

جوانانِ جنت کے سردار ہیں، ابوبکر جنتی ہیں، فاطمۃ الزہرا جنتی ہیں۔

(مشکاۃ المصابیح، کتاب المناقب، باب مناقب اھل بیت النبی، الحدیث ۶۱۷۱، المجلد الثانی، ص ۴۴۱ و الحدیث ۶۰۳۳، ص ۴۱۷، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

قاعدہ نمبر ۲۵

الف: جن آیات میں فرمایا گیا ہے کہ نبی ہدایت نہیں کرتے وہاں مراد ہے اللہ کی مرضی کے خلاف، اس کے مقابل ہدایت نہیں کرتے کہ رب چاہے کسی کو گمراہ کرنا اور نبی ہدایت کردیں یہ ناممکن ہے۔

ب: جہاں فرمایا گیا ہے کہ نبی ہدایت کرتے ہیں وہاں مراد ہے باذن الٰہی ہدایت کرتے ہیں۔

''الف'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ج وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ O (پ ۲۰، القصص: ۵۶)

بے شک تم ہدایت نہیں کرتے جسے محبت کرو لیکن اللہ ہدایت کرتا ہے جسے چاہے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت والوں کو۔

لطیفہ: اس جگہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے لئے اَحْبَبْتَ فرمایا اور اللہ کیلئے یَشَاءُ فرمایا دونوں جگہ اَحْبَبْتَ یا دونوں جگہ یَشَاءُ نہیں بولا گیا۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم ساری مخلوق ہی سے محبت فرماتے ہیں۔ کیونکہ رحمت للعالمین ہیں اور آپ کو پسند ہے کہ سب کو ہی ہدایت ملے مگر آپ کی اس محبت پر ہدایت نہیں ملتی لیکن آپ اسی کی ہدایت چاہتے ہیں جس کی ہدایت رب چاہے جو فنا فی اللہ ہو وہ اپنی

مشیت رب کی مشیت میں فنا کر دیتا ہے۔اس کے بغیر چاہے چاہتا بھی نہیں رب تعالیٰ بھی ربوبیت کے لحاظ سے ساری مخلوق سے محبت کرتا ہے کیونکہ رب العالمین ہے اسی لئے ہادی بھیجے مگر چاہتا اس کی ہدایت ہے جس کی ہدایت میں حکمت ہے تو ہدایت نہ حضور کی محض محبت سے ملتی ہے نہ اللہ کی محض محبت سے، ہاں رب کے ارادہ سے اور پھر حضور کے ارادے سے ہدایت نصیب ہوتی ہے۔

﴿۱﴾ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ٥

اور اگر ان کفار کا پھرنا آپ پر شاق گزرا ہے تو اگر تم سے ہو سکے تو زمین میں کوئی سرنگ تلاش کر لو یا آسمان میں زینہ پھر ان کیلئے نشانی لے آؤ اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا پس تم نادان نہ بنو۔

(پ۷،الانعام:۳۵)

﴿۲﴾ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ

آپ پر ان کی ہدایت نہیں لیکن اللہ جسے چاہے ہدایت دے۔

(پ۳،البقرۃ:۲۷۲)

ان جیسی تمام آیتوں میں رب کے خلاف مرضی ہدایت دینا مراد ہے یہ نہ نبی سے ممکن ہے نہ قرآن سے۔ ''ب'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ٥ (پ۲۵،الشورٰی:۵۲)

اور تم اے محبوب ہدایت کرتے ہو سیدھے راستے کی۔

﴿۲﴾اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ(پ۱۵،بنی اسرآءیل:۹)
بے شک قرآن ہدایت دیتا ہے اس راستہ کی جو سیدھا ہے۔

﴿۳﴾یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ (پ۴،اٰل عمرٰن:۱۶۴)
وہ نبی مسلمانوں پر اللہ کی آیتیں تلاوت کرتے ہیں اورانہیں پاک کرتے ہیں۔

﴿۴﴾شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ (پ۲،البقرۃ:۱۸۵)
ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا لوگوں کیلئے ہدایت اور راہنمائی اور فیصلہ کی روشن باتیں ہیں۔

ان جیسی تمام آیات میں جن میں قرآن یا توریت یا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ہادی فرمایا گیا ہے۔ ہدایت سے مراد اللہ کی مرضی سے راہ دکھانا ہے۔

قاعدہ نمبر ۲۶

الف: جن آیات میں فرمایا گیا ہے کہ غیر خدا کے نام پر پکارا ہوا جانور حرام ہے وہاں ذبح کے وقت کسی کا نام پکارنا مراد ہے۔

ب: جن آیات میں فرمایا گیا ہے کہ غیر خدا کے نام پر پکارا ہوا جانور حرام نہیں ہے حلال ہے ان میں زندگی کی حالت میں کسی کا نام پکارنا مراد ہے جیسے بتوں کے نام پر چھوڑا ہوا جانور یا زید کی بکری، عبدالرحیم کی گائے۔

﴿۱﴾وَمَاۤ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ (پ۲،البقرۃ:۱۷۳)
اور حرام ہے وہ جانور جس پر ذبح کے وقت غیر خدا کا نام پکارا گیا ہو۔

﴿۲﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ (پ۸،الانعام:۱۱۹)
اور تمہارا کیا حال ہے کہ وہ جانور نہیں کھاتے جس پر بوقت ذبح خدا کا نام پکارا گیا۔

﴿۳﴾ وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ — اورحرام ہے وہ جانور جو بتوں پر ذبح کیا جائے۔ (پ۶،المآئدۃ:۳)

ان تمام آیتوں میں اس جانور کے کھانے سے منع فرمایا گیا ہے جو کسی غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جاوے کہ حرام کرنے والی یہ ہی چیز ہے۔

ب کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ مَا جَعَلَ اللّٰہُ مِنۡۢ بَحِیۡرَۃٍ وَّلَا سَآئِبَۃٍ وَّلَا وَصِیۡلَۃٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰکِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یَفْتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ (پ۷،المآئدۃ:۱۰۳) — نہیں مقرر کیا اللہ نے کان چرا ہوا اور نہ بجار اور نہ وصیلہ اور نہ حام لیکن کافر لوگ اللہ پر جھوٹ افترا باندھتے ہیں۔

یہ جانور جو اس آیت میں مذکور ہوئے مشرکین عرب کی طرف سے بتوں کے نام پر چھوڑے جاتے تھے یعنی زندگی میں ان پر غیر خدا کا نام پکارا جاتا تھا اور مشرکین انہیں حرام سمجھتے تھے ان کے حرام سمجھنے کی تردید اس آیت میں کر دی گئی ہے اور انہیں حلال فرمایا گیا۔ لہٰذا آج مشرکین کے چھوڑے ہوئے بجار حلال ہیں اللہ کے نام پر ذبح کرو اور کھاؤ۔

قاعدہ نمبر ۲۷

الف: جہاں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کہلوایا گیا ہے کہ میں اپنے اور تمہارے نفع کا مالک نہیں ہوں وہاں اللہ کے بغیر مرضی ملکیت مراد ہے۔

ب: جہاں فرمایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم غنی کر دیتے ہیں

وہاں بعطاء الٰہی، اللہ عزوجل کے ارادے سے غنی کرنا اور دینا مراد ہے۔

''الف'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ (پ۹، الاعراف:۱۸۸)

تم فرماؤ کہ میں اپنی جان کے بھلے اور برے کا خود مختار نہیں مگر جو اللہ چاہے۔

﴿۲﴾ وَمَآ اُغْنِیْ عَنْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍط (پ۱۳، یوسف:۶۷)

اور میں تم سے دفع نہیں کرسکتا اللہ کے مقابل کوئی چیز

﴿۳﴾ مَا کَانَ یُغْنِیْ عَنْھُمْ مِّنَ اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا حَاجَۃً فِیْ نَفْسِ یَعْقُوْبَ قَضٰھَا (پ۱۳، یوسف:۶۸)

یعقوب نہیں دفع کرسکتے تھے ان سے اللہ کی کوئی مصیبت مگر یعقوب کے دل کی حاجت تھی جو پوری کردی۔

ان جیسی تمام آیتوں میں یہ مراد ہے کہ رب تعالیٰ کے اذن کے بغیر میں کچھ نہیں کرسکتا ہر چیز میں اس کی اجازت کا حاجتمند ہوں۔

''ب'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ اَغْنٰھُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ مِنْ فَضْلِہٖ (پ۱۰، التوبۃ:۷۴)

غنی کردیا انہیں اللہ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے۔

﴿۲﴾ وَلَوْ اَنَّھُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ (پ۱۰، التوبۃ:۵۹)

اور اگر وہ راضی ہوتے اس پر جو انہیں اللہ اور اس کے رسول نے دیا۔

﴿۳﴾ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ (پ۲۲،الاحزاب:۳۷)

جب آپ کہتے تھے اس سے جس پر اللہ نے انعام کیا اورآپ نے اسے نعمت دی کہ اپنی بیوی کو روکو۔

ان آیتوں سے پتا لگا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم غنی کرتے ہیں نعمت دیتے ہیں ان میں یہ ہی مراد ہے کہ اللہ کے حکم، اللہ کے ارادہ اور اذن سے نعمتیں بھی دیتے اور فضل بھی کرتے ہیں۔ لہٰذا دونوں قسم کی آیتوں میں تعارض نہیں۔

قاعدہ نمبر ۲۸

الف: جب رفع کا مفعول کوئی زمینی جسم ہو تو رفع کے معنی ہوں گے اونچی جگہ میں اٹھانا چڑھانا، اونچا کرنا۔

ب: جب رفع کا مفعول کوئی زمینی جسم نہ ہو تو اس کے معنی ہوں گے روحانی بلندی، مرتبہ کا اونچا ہونا۔

''الف'' کی مثال یہ آیات ہیں:

﴿۱﴾ یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا (پ۳، العمرٰن:۵۵)

اے عیسیٰ میں تمہیں وفات دینے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور کافروں سے تمہیں پاک کرنیوالا ہوں۔

﴿۲﴾ وَرَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَی الْعَرْشِ (پ۱۳،یوسف:۱۰۰)

اٹھالیا یوسف نے اپنے ماں باپ کو تخت پر۔

﴿۳﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ (پ۶،نساء:۱۵۴)

اور ہم نے بنی اسرائیل کے اوپر طور پہاڑ اٹھالیا۔

﴿۴﴾ وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ (پ ۱،البقرۃ:۱۲۷) اور جب ابراہیم بیت اللہ کی دیواریں اونچی کررہے تھے۔

ان آیتوں میں چونکہ رفع کا مفعول عیسی علیہ السلام یا یوسف علیہ السلام کے والدین یا طور پہاڑ یا کعبہ کی دیوار ہے اور یہ سب زمینی جسم ہیں لہٰذا ان میں رفع کرنے کے معنی ہونگے بلند جگہ میں پہنچانا، اٹھانا، اونچا کرنا۔ درجے بلند کرنا مراد نہ ہوگا۔

''ب'' کی مثال یہ آیت ہے:

﴿۱﴾ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ ؕ (پ ۳۰،الانشراح:۴) ہم نے آپ کا ذکر اونچا کردیا۔

﴿۲﴾ مِنْھُمْ مَّنْ کَلَّمَ اللّٰہُ وَرَفَعَ بَعْضَھُمْ دَرَجٰتٍ ؕ (پ۳،البقرۃ:۲۵۳) ان پیغمبروں میں بعض وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا اور بعض کے درجے اونچے کیئے۔

﴿۳﴾ فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ لا (پ۱۸،النور:۳۶) ان گھروں میں جنہیں بلند کرنے کا اللہ نے حکم دیا اوران میں اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔

ان تمام آیتوں میں چونکہ رفع کا مفعول زمینی جسم نہیں ہے بلکہ ذکر یا درجے یا خدا تعالیٰ کا نام ہے اس لئے یہاں مکانی بلندی مراد نہ ہوگی بلکہ روحانی بلندی مراد ہے، کیونکہ یہ ہی اس کے لائق ہے لہٰذا عیسی علیہ السلام کے بارے میں جو آیت آئی اِنِّیْ رَافِعُکَ (ال عمرٰن:۵۵) اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم تمہیں آسمان پر اٹھانے والے ہیں یہ نہیں کہ تمہارے درجے بلند کرنے والے ہیں جیسا کہ قادیانی کہتے ہیں کیونکہ عیسی علیہ السلام زمینی جسم ہیں اور جسم کے لئے بلندی مکانی مناسب ہے۔

اعتراض: اگر اس آیت میں مکانی بلندی مراد ہے تو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کسی جگہ یعنی آسمانوں میں رہتا ہو کیونکہ فرمایا گیا ہے **رَافِعُکَ اِلَیَّ** اپنی طرف اٹھانے والا ہوں خدا کی طرف کونسی ہے؟

جواب: یہاں خدا کی طرف اٹھانے سے مراد آسمان کی طرف اٹھانا ہے کیونکہ اگرچہ زمین و آسمان ہر چیز خدا تعالیٰ ہی کی ہے لیکن آسمان خصوصیت سے تجلی گاہ الٰہی ہے کہ نہ وہاں کسی کی ظاہری بادشاہت ہے نہ کفر و شرک و گناہ لہٰذا آسمان پر جانا گویا خدا کے پاس جانا ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا: **ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ** (پ۲۹،الملک:۱۶) یا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: **اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ○** (پ۲۳، الصّٰفّٰت:۹۹) میں اپنے رب کی طرف جارہا ہوں وہ مجھے ہدایت کریگا حالانکہ آپ شام کے ملک میں جارہے تھے مگر چونکہ شام آپ کا عبادت گاہ تھا۔ اس لئے وہاں جانا رب کے پاس جانا قرار دیا گیا۔ اسی لئے مسجدوں کو اللہ کا گھر کہا جاتا ہے خدا وہاں رہتا نہیں مگر چونکہ وہاں کسی کا کام نہیں ہوتا اور نہ مسجد کسی انسان کی ملک ہے۔ لہٰذا وہ خدا کا گھر ہے۔

اعتراض: اس آیت میں فرمایا گیا: **اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَ رَافِعُکَ** (پ۳،ال عمرٰن:۵۵) میں تمہیں وفات دوں گا اور اٹھاؤں گا یہاں وفات کا ذکر پہلے ہے اور اٹھانے کا ذکر بعد میں معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو موت کے بعد اٹھایا گیا نہ کہ موت سے پہلے۔ (قادیانی)

جواب: اگر یہاں وفات کے معنی موت مان لئے جائیں تو بھی واؤ کیلئے ترتیب لازم نہیں بہت جگہ ترتیب کے خلاف ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں معنی یہ ہوئے کہ میں پہلے تمہیں اٹھاؤں گا پھر موت دوں گا جیسا کہ ان آیتوں میں ہے۔

﴿۱﴾ وَاسْجُدِیْ وَارْکَعِیْ (پ۳،ال عمرٰن:۴۳) — اے مریم تم سجدہ کرو اور رکوع کرو۔

﴿۲﴾ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ (پ۱،البقرۃ:۲۱) — اللہ نے پیدا کیا تم کو اور ان کو جو تم سے پہلے تھے۔

﴿۳﴾ نَمُوْتُ وَنَحْیَا (پ۲۵،الجاثیۃ:۲۴) — ہم مریں گے اور جئیں گے

﴿۴﴾ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰیO (پ۱۶،طٰہٰ:۴) — اللہ نے پیدا کیا زمین کو اور اونچے آسمانوں کو۔

﴿۵﴾ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ (پ۲۹،الملک:۲) — اس اللہ نے پیدا کیا موت اور زندگی کو

﴿۶﴾ وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْکَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ ج (پ۲۴،الزمر:۶۵) — اور بے شک وحی کی گئی تمہاری طرف اور ان پیغمبروں کی طرف جو تم سے پہلے تھے۔

ان تمام آیتوں میں واؤ ترتیب کے خلاف ہے۔ ایسے ہی اس آیت میں ہے اور اگر واؤ یہاں ترتیب بتائے تب مُتَوَفِّیْکَ میں جو وفات یا توفی مذکور ہے۔ اس سے موت مراد نہیں سلانا یا پورا لینا مراد ہے قرآن شریف میں یہ لفظ دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے تو معنی یہ ہوئے کہ اے عیسٰی میں تمہیں سلا کر اپنی طرف اٹھاؤں گا یا میں تمہیں پورا پورا جسم مع روح اپنی طرف اٹھاؤں گا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: وَاِبْرٰھِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰیO (پ۲۷،النجم:۳۷) یہاں وَفّٰی کے معنی ہیں پورا کیا۔ فرماتا ہے: یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَاجَرَحْتُمْ بِالنَّھَارِ (پ۷،الانعام:۶۰) یہاں وفات کے معنی سلانا ہیں یعنی رب تعالیٰ تم کو رات میں سلا دیتا ہے، وہی معنی یہاں مراد ہیں۔

قاعدہ نمبر ۲۹

الف: جن آیتوں میں خدا کے سوا دوسرے سے ڈرنے کی ممانعت فرمائی گئی یا فرمایا گیا کہ صرف اللہ ہی سے ڈرو۔ وہاں عذاب کا خوف، حساب کا ڈر، پکڑ کا خوف، الوہیت اور کبریائی کا خوف مراد ہے کہ کسی کو معبود سمجھ کر نہ ڈرو یا رب تعالیٰ کے مقابل کسی سے خوف نہ کرو۔

ب: جن آیتوں میں دوسرے سے ڈرنے کا حکم دیا گیا یا فرمایا گیا کہ فلاں پیغمبر فلاں سے ڈرے، وہاں تکلیف کا ڈر، ایذا پہنچانے کا خوف یا فتنہ کا خوف مراد ہے تا کہ آیتوں میں تعارض نہ ہو خلاصہ یہ ہے کہ کبریائی کی ہیبت مومن کے دل میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کی چاہیے اور دوسری قسم کے فتنہ، تکلیف کا خوف مخلوق کا ہوسکتا ہے۔

''الف'' کی مثال یہ آیات ہیں:

﴿۱﴾ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ج وَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ ۝ (پ ۱، البقرة: ۴۰)

تم میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا اور صرف مجھ سے ہی ڈرو۔

﴿۲﴾ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِیْ ق (پ ۲، البقرة: ۱۵۰)

پس ان کافروں سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو۔

﴿۳﴾ اَلَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَیَخْشَوْنَهٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ط (پ ۲۲، الاحزاب: ۳۹)

جو اللہ تعالیٰ کے پیغام پہنچاتے اور اس سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔

﴿۴﴾ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۝ (پ٤،ال عمرٰن:١٧٥)
پس ان سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو اگر تم مسلمان ہو۔

﴿۵﴾ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۝ (پ١١،یونس:٦٢)
خبردار ہو کہ اللہ کے دوستوں پر نہ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

ان جیسی تمام وہ آیتیں جن میں غیر خدا سے ڈرنے کی ممانعت ہے۔ان میں الوہیت کا خوف مراد ہے یا مخلوق کا وہ خوف جو رب کی اطاعت سے روک دے یہ ڈر ممنوع ہے۔''ب'' کی مثال یہ آیات ہیں:

﴿۱﴾ اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ج (پ٢٨،التغابن:١٤)
تمہاری بعض بیویاں اور بعض اولاد تمہاری دشمن ہیں ان سے ڈرتے رہو۔

﴿۲﴾ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیْنَآ اَوْ اَنْ یَّطْغٰی۝ (پ١٦،طٰه:٤٥)
حضرت موسیٰ وہارون نے عرض کیا کہ اے ہمارے رب ہم ڈرتے ہیں کہ فرعون ہم پر زیادتی کریگا یا سرکشی۔

﴿۳﴾ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ ط یٰمُوْسٰی لَا تَخَفْ (پ١٩،النمل:١٠)
پھر موسیٰ نے اس لاٹھی کو دیکھا لہراتا ہوا گویا سانپ ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگے اور مڑ کر نہ دیکھا اے موسیٰ نہ ڈرو۔

﴿۴﴾ فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی۝ (پ١٦،طٰه:٦٧)
موسیٰ علیہ السلام اپنے دل میں ڈر گئے۔

﴿۵﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ قَتَلۡتُ مِنۡهُمۡ نَفۡسًا فَاَخَافُ اَنۡ یَّقۡتُلُوۡنِ ○ (پ ۲۰، القصص: ۳۳)

کہا موسیٰ علیہ السلام نے اے میرے رب میں نے ان میں ایک آدمی مار ڈالا ہے تو میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔

﴿۶﴾ فَاَوۡجَسَ مِنۡهُمۡ خِیۡفَةً ؕ قَالُوۡا لَا تَخَفۡ ؕ (پ ۲۶، الذّٰریٰت: ۲۸)

تو ابراہیم اپنے دل میں ان فرشوں سے ڈر گئے وہ بولے آپ ڈریئے نہیں۔

ان جیسی بہت سی وہ آیتیں جن میں مخلوق سے ڈرنے کا حکم ہے یا ان سے ڈرنے کا ثبوت ہے ان میں وہی خوف مراد ہے جو عرض کیا گیا یعنی تکلیف کا خوف یا فتنہ کا ڈر۔ اس قسم کے ڈر نہ ایمان کے خلاف ہیں اور نہ ولایت اور نبوت کے منافی۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام نبی ہیں مگر سانپ سے، فرعون سے، ملائکہ سے خوف فرماتے ہیں لہٰذا انبیاء اور اولیاء اللہ سے خوف کرنا کہ یہ ناراض ہو کر بددعائیں دیں گے اور ہم کو نقصان پہنچ جائیگا۔ ایمان کے خلاف نہیں بلکہ ایمان کو قوی کرتا ہے موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے فرعونیوں کا بیڑا غرق ہوا، نوح علیہ السلام کی بددعا سے ساری دنیا کے کافر ہلاک کر دیئے گئے۔ معلوم ہوا کہ ان کی بددعا خطرناک ہے بلکہ خدا تعالیٰ نے بغیر کسی بندے کی بددعا کے کسی کو ہلاک نہ کیا۔

ہیچ قومے راخدا رسوا نہ کرد　　　تادلے صاحب دلے نامد بدرد

قاعدہ نمبر ۳۰

الف: جن آیتوں میں نبی سے کہلوایا گیا ہے کہ ہم تم جیسے بشر ہیں وہاں مطلب یہ ہے کہ خالص بندے ہونے میں تم جیسے بشر ہیں کہ جیسے تم نہ خدا ہو نہ خدا کے

بیٹے، نہ خدا کے ساجھی، شریک ایسے ہی ہم نہ خدا ہیں نہ اس کے بیٹے نہ اس کے ساجھی۔ خالص بندے ہیں۔

ب: جن آیتوں میں نبی کو بشر کہنے پر کفر کا فتوے دیا گیا ہے اور انہیں بشر کہنے والوں کو کافر کہا گیا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ جو نبی کی ہمسری اور برابری کا دعوی کرتے ہوئے انہیں بشر کہے یا ان کی اہانت کرنے کے لئے بشر کہے یا یوں کہے کہ جیسے ہم محض بشر ہیں نبی نہیں ایسے ہی تم نبوت سے خالی ہو محض بشر ہو۔ وہ کافر ہے۔

''الف'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ **قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ** (پ۱٦، الکھف: ۱۱۰) — فرمادو کہ میں تم جیسا بشر ہوں کہ میری طرف وحی کی گئی۔

﴿۲﴾ **قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ**ط (پ۱۳، ابراھیم: ۱۱) — ان کے رسولوں نے ان سے کہا کہ ہم تو تمہاری طرح انسان ہیں مگر اللہ اپنے بندوں میں جس پر چاہے احسان فرماتا ہے۔

ان جیسی تمام آیات میں یہی مراد ہے کہ ہم ''اِلٰہ'' نہ ہونے میں اور خالص بندہ ہونے میں تم جیسے بشر ہیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عام انسان پیغمبر کے برابر ہوجاویں۔ ان آیات کی تائید ان آیتوں سے ہو رہی ہے۔

﴿۱﴾ **وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ**ط (پ۷، الانعام: ۳۸) — اور نہیں ہے کوئی زمین میں چلنے والا اور نہ کوئی پرندہ کہ اپنے پروں پر اڑتا ہو مگر تم جیسی امتیں ہیں۔

﴿۲﴾ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ (پ۱۸،النور:۳۵)
اس اللہ کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق جس میں چراغ ہے۔

ان آیتوں میں تمام جانوروں کو انسانوں کی مثل فرمایا گیا حالانکہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور اللہ تعالیٰ کے نور کو طاق اور چراغ سے مثال دی گئی۔ حالانکہ کہاں طاق اور چراغ اور کہاں رب کا نور جیسے ان دونوں آیتوں کی وجہ سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ہم جانوروں کی طرح یا رب کا نور طاق اور چراغ کی طرح۔ اسی طرح نہیں کہا جاسکتا کہ ہم نبی کے برابر یا ان کی طرح ہیں۔ یہ تمثیل فقط سمجھانے کیلئے ہے۔

''ب'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ فَقَالُوْۤا اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا٘ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ (پ۲۸،التغابن:۶)
پس کافر بولے کیا بشر ہمیں ہدایت کرے گا لہٰذا وہ کافر ہوگئے پھر وہ پھر گئے اور اللہ بے پرواہ ہے۔

﴿۲﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ (پ۱۴،الحجر:۳۳)
شیطان نے کہا مجھے زیبا نہیں کہ بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے بجتی مٹی سے بنایا جو سیاہ لیسدار گارے سے تھی۔

﴿۳﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ (پ۱۸،المؤمنون:۲۴)
تو جس قوم کے سرداروں نے کفر کیا وہ بولے یہ تو نہیں مگر تم جیسا آدمی۔

﴿۴﴾ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ (پ۱۸،المؤمنون:۳۴)
کفار نے کہا کہ اگر تم کسی اپنے جیسے آدمی کی اطاعت کروگے تو تم ضرور گھاٹے میں رہوگے۔

﴿۵﴾ فَقَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ۝ (پ۱۸،المؤمنون:۴۷)

فرعونی بولے کیا ہم ایمان لائیں اپنے جیسے دو آدمیوں پر اور ان کی قوم ہماری بندگی کر رہی ہے۔

ان جیسی تمام آیتوں میں فرمایا گیا کہ پیغمبر کو بشر کہنا اولاً شیطان کا کام تھا پھر ہمیشہ کفار نے کہا مومنوں نے یہ کبھی نہ کہا اور ان کفار کے کفر کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ انبیاء علیہم السلام سے برابری کے دعویدار ہو کر انہیں اپنی طرح بشر کہتے تھے۔

نوٹ ضروری: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا بارہا اپنی بندگی اور بشریت کا اعلان کرنا اس لئے تھا کہ عیسائیوں نے عیسی علیہ السلام میں دو معجزے دیکھ کر انہیں خدا کا بیٹا کہہ دیا، ایک تو ان کا بغیر باپ پیدا ہونا اور دوسرے مردے زندہ کرنا مسلمانوں نے صدہا معجزے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دیکھے، چاند پھٹتا ہوا۔ سورج لوٹتا ہوا دیکھا کنکر کلمہ پڑھتے دیکھے انگلیوں سے پانی کے چشمے بہتے دیکھے۔ اندیشہ تھا کہ وہ بھی حضور کو خدا یا خدا کا بیٹا کہہ دیں۔ اس احتیاط کے لئے بار بار اپنی بشریت کا اعلان فرمایا۔

تیسرا باب

مسائل قرآنیہ

اس باب میں ان ضروری مسائل کا ذکر ہوگا جن کا بعض لوگ انکار کرتے ہیں حالانکہ وہ قرآن شریف سے صراحۃً ثابت ہیں اور ان کے ثبوت میں صرف قرآنی آیات ہی پیش کی جاویں گی۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل قبول فرمائے۔

مسئلہ نمبرا

کرامات اولیاء اللہ حق ہیں

جو عجیب وغریب حیرت انگیز کام نبی (علیہ السلام) سے صادر ہوتو اگر نبوت کے ظہور سے پہلے صادر ہوا وہ ارہاص ہے۔ جیسے عیسیٰ علیہ السلام کا بچپن شریف میں کلام فرمانا یا ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کنکروں، پتھروں کا بچپن میں سلام کرنا۔

اگر ظہور نبوت کے بعد ہوتو اسے معجزہ کہتے ہیں۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ید بیضا۔ یا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا چاند کو چیرنا، سورج کو واپس لانا، اور جو ولی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) سے صادر ہوا سے کرامت کہتے ہیں اور جو عجیب وغریب کام کافر سے ہو وہ استدراج کہلاتا ہے۔ جیسے دجال کا پانی برسانا، مردے زندہ کرنا۔

ابھی تک اللہ عزوجل کے فضل وکرم سے مسلمانوں میں کوئی فرقہ ایسا پیدا نہیں ہوا جو معجزات کا انکار کرتا ہو۔ قادیانی صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا انکار کرتے ہیں وہ صرف اس لئے کہ ان کے مسیح موعود میں کوئی معجزہ نہیں۔ تو وہ کہتے ہیں کہ چونکہ اصلی مسیح میں کوئی معجزہ نہ تھا اس لئے ان کے مثل مسیح میں کوئی معجزہ نہیں، ورنہ معجزات کے وہ بھی قائل ہیں۔ خود قرآن کریم کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا معجزہ مانتے ہیں۔ ہاں بہت لوگ کرامات اولیاء اللہ کے منکر ہوگئے اور کہنے لگے کہ ساری کرامات گھڑے ہوئے قصے کہانی ہیں، قرآن سے ثبوت نہیں۔ ہم وہ آیات قرآنیہ پیش کرتے ہیں جن میں کرامات کا صریحی ذکر ہے۔

﴿۱﴾ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ لا وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ج قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ط قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (پ۳،ال عمرٰن:۳۷)

جب مریم کے پاس زکریا علیہ السلام آتے تو بے موسم پھل پاتے تو کہا اے مریم تمہارے پاس یہ کہاں سے آئے تو بولیں یہ رب کے پاس سے آئے ہیں۔

حضرت مریم بنی اسرائیل کی ولیہ ہیں ان کی کرامت یہ بیان ہوئی کہ مقفل کوٹھڑی میں بے موسم پھل انہیں غیب سے عطا ہوئے یہ کرامت ولی ہے۔

﴿۲﴾ وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًاo

اصحاب کہف غار میں تین سو برس ٹھہرے نو اوپر۔

(پ۱۵،الکھف:۲۵)

اصحاب کہف نبی نہیں بلکہ بنی اسرائیل کے ولی ہیں ان کی کرامت یہ بیان ہوئی کہ غار میں تین سو نو برس سوتے رہے۔ اتنا عرصہ بے غذا سونا اور فنا نہ ہونا کرامت ہے۔

﴿۱﴾ وَتَحْسَبُهُمْ اَیْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ق وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ق وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَیْهِ بِالْوَصِیْدِ ط (پ۱۵،الکھف:۱۸)

اور تم انہیں جاگتا سمجھو اور وہ سو رہے ہیں اور ہم انہیں دائیں بائیں کروٹیں بدلتے ہیں اور ان کا کتا اپنی کلائیاں پھیلائے ہوئے غار کی چوکھٹ پر ہے۔

اس آیت میں اصحاب کہف جو اولیاء ہیں۔ ان کی تین کرامتیں بیان ہوئیں ایک تو جاگنے کی طرح اب تک سونا۔ دوسرے رب کی طرف سے کروٹیں بدلنا اور زمین کا ان کے جسموں کو نہ کھانا اور بغیر غذا باقی رہنا تیسرے ان کے کتے کا اب تک لیٹے رہنا یہ بھی ان کی کرامت ہے نہ کہ کتے کی۔

﴿۲﴾ قَالَ الَّذِیۡ عِنۡدَہٗ عِلۡمٌ مِّنَ الۡکِتٰبِ اَنَا اٰتِیۡکَ بِہٖ قَبۡلَ اَنۡ یَّرۡتَدَّ اِلَیۡکَ طَرۡفُکَ ط (پ۱۹،النمل:۴۰)

اور بولا وہ جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں تخت بلقیس آپ کے پاس لے آؤں گا آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے۔

اس آیت میں آصف بن برخیا کی جو بنی اسرائیل کے نبی نہیں بلکہ ولی ہیں کئی کرامتیں بیان ہوئیں۔ بغیر کسی کے پوچھے یمن پہنچ جانا۔ وہاں سے اتنا وزنی تخت لے آنا اور یہ دور دراز سفر شام سے یمن تک جانا آنا ایک آن میں طے کر لینا۔

﴿۳﴾ فَانۡطَلَقَا حَتّٰۤی اِذَا رَکِبَا فِی السَّفِیۡنَۃِ خَرَقَہَا ط قَالَ اَخَرَقۡتَہَا لِتُغۡرِقَ اَہۡلَہَا ج (پ۱۵،الکھف:۷۱)

دونوں موسیٰ وخضر علیہما السلام چلے یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے تو خضر نے کشتی کو توڑ دیا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تم نے اس لئے توڑ دیا کہ کشتی والے ڈوب جائیں۔

اس آیت کریمہ میں خضر علیہ السلام جو کہ غالباً کسی قوم کے ولی ہیں۔ ان کی یہ کرامت بیان کی کہ انہوں نے کشتی توڑ ڈالی مگر کشتی نہ ڈوبی۔ حالانکہ موسی علیہ السلام کو خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔

﴿۱﴾ وَاَمَّا الۡغُلٰمُ فَکَانَ اَبَوٰہُ مُؤۡمِنَیۡنِ فَخَشِیۡنَاۤ اَنۡ یُّرۡہِقَہُمَا طُغۡیَانًا وَّ کُفۡرًا O (پ۱۶،الکھف:۸۰)

حضرت خضر نے فرمایا کہ اس بچے کے ماں باپ مومن ہیں ہم نے خوف کیا کہ وہ انہیں سرکشی اور کفر پر چڑھا دے۔

اس آیت میں حضرت خضر کی یہ کرامت بیان ہوئی کہ انہوں نے مقتول بچے اور اس کے والدین کے انجام کو جان لیا کہ وہ مومن رہیں گے اور یہ کافر ہو گا حالانکہ یہ علوم خمسہ میں سے ہے۔

﴿۲﴾ وَكَانَ تَحۡتَهٗ كَنۡزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوۡهُمَا صَالِحًا ج (پ۱۶،الکھف:۸۲)
خضر نے فرمایا کہ اس دیوار کے نیچے دو یتیموں کا خزانہ ہے اوران کا باپ نیک آدمی تھا۔

اس آیت میں خضر علیہ السلام کی یہ کرامت بیان ہوئی کہ انہوں نے زمین کے نیچے کا دفینہ معلوم کرلیا۔ان جیسی بہت سی آیات میں اولیاء اللہ کی کرامات بیان ہوئیں، ان کا علم غیب، طی الارض یعنی بہت جلد سفر طے کرنا، بے آب وغذا بہت عرصہ زندہ رہنا، غرضیکہ بہت کرامات کا ذکر ہے۔

مسئلہ نمبر۲
اللہ کے مقبول بندے باذن الٰہی مشکل کشا حاجت روا دافع بلا ہیں

اللہ کے پیارے اللہ کے حکم سے بندوں کی حاجتیں پوری کرتے ہیں مشکلیں حل کرتے ہیں قرآن کریم اس کا اعلان فرمارہا ہے۔ دور ونزدیک ہر جگہ سے مافوق الاسباب مشکل کشائی اور مدد کرتے ہیں۔

﴿۱﴾ اِذۡهَبُوۡا بِقَمِيۡصِىۡ هٰذَا فَاَلۡقُوۡهُ عَلٰى وَجۡهِ اَبِىۡ يَاۡتِ بَصِيۡرًا ج (پ۱۳،یوسف:۹۳)
میرا یہ کرتہ لے جاؤ اسے میرے باپ کے منہ پر ڈال دو ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔

﴿۲﴾ فَلَمَّاۤ اَنۡ جَآءَ الۡبَشِيۡرُ اَلۡقٰهُ عَلٰى وَجۡهِهٖ فَارۡتَدَّ بَصِيۡرًا ج (پ۱۳،یوسف:۹۶)
پھر جب خوشی سنانے والا آیا تو وہ قمیص یعقوب کے منہ پر ڈال دی۔اسی وقت ان کی آنکھیں لوٹ آئیں۔

یعقوب علیہ السلام نابینا ہوگئے تھے ان کی اس مصیبت کو یوسف علیہ السلام نے اپنی قمیص کے ذریعہ دور فرمایا اوران کی مشکل کشائی کی قمیص سے شفا دینا مافوق الاسباب مدد ہے

﴿۳﴾ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا ج لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ط (پ۱۲، یوسف: ۲۴)

اور بے شک زلیخا نے قصد کرلیا یوسف کا اور یوسف علیہ السلام بھی ارادہ کر لیتے اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھتے۔

یوسف علیہ السلام کو زلیخا نے سات کوٹھڑیوں میں بند کر کے اپنی طرف مائل کرنا چاہا تو آپ نے سامنے یعقوب علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ اشارے سے منع فرما رہے ہیں جس سے آپ کے دل میں ادھر میلان نہ پیدا ہوا۔ یہ رب تعالیٰ کی برہان تھی جس کا ذکر اس آیت میں ہے تو یعقوب علیہ السلام نے کنعان سے بیٹھے ہوئے مصر کی بند کوٹھڑی میں یوسف علیہ السلام کی یہ مدد کی کہ انہیں بڑی آفت اور ارادہ گناہ سے بچالیا۔ یہ ہے اللہ والوں کی مشکل کشائی اور مافوق الاسباب امداد۔

﴿۱﴾ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ج (پ۳، اٰل عمرٰن: ۴۹)

عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں اللہ کے حکم سے شفا دیتا ہوں مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو اور مردوں کو زندہ کرتا ہوں۔

اندھا، کوڑھی ہونا بلا ہے جسے عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے دفع کر دیتے ہیں لہٰذا اللہ کے پیارے دافع البلا ہوتے ہیں یعنی مافوق الاسباب مشکل کشائی فرماتے ہیں۔

﴿۲﴾ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ط فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ط (پ۱، البقرۃ: ۶۰)

ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اپنی لاٹھی سے پتھر کو مارو پس فوراً اس پتھر سے بارہ چشمے جاری ہوگئے۔

بنی اسرائیل تیہ کے میدان میں پیاس کی آفت میں پھنسے تو رب تعالیٰ نے

براہ راست انہیں پانی نہ دیا بلکہ موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ ان کے لئے دافع البلا بن جائیں تا کہ انہیں پانی ملے معلوم ہوا کہ اللہ کے بندے بحکم الٰہی پیاس کی بلا دور کرتے ہیں مافوق الاسباب۔

﴿۳﴾قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ ق لِاَهَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا (پ ۱۶،مریم: ۱۹)

جبریل نے مریم سے کہا کہ میں تمہارے رب کا قاصد ہوں آیا ہوں تا کہ تمہیں ستھرا بیٹا دوں۔

معلوم ہوا کہ حضرت جبریل علیہ السلام اللہ عزوجل کے حکم سے بیٹا بخشتے ہیں یعنی بندوں کی حاجتیں پوری کرتے ہیں۔

﴿۱﴾وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۝(پ ۵،النساء: ٦٤)

اے محبوب اگر یہ مجرم لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر کے آپ کے پاس آجاویں اور خدا سے مغفرت مانگیں اور آپ بھی ان کی سفارش کریں تو اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

اس آیت نے بتایا کہ جو گناہوں کی بیماری میں پھنس جاوے وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے شفاخانہ میں پہنچے وہاں شفا ملے گی آپ دافع البلاء ہیں اور مافوق الاسباب گناہ بخشوا دیتے ہیں۔

﴿۲﴾اُرْکُضْ بِرِجْلِکَ ج هٰذَا مُغْتَسَلٌ م بَارِدٌ وَّشَرَابٌ۝ (پ ۲۳،ص: ۴۲)

اے ایوب زمین پر اپنا پاؤں مارو یہ ہے ٹھنڈا چشمہ نہانے اور پینے کو۔

ایوب علیہ السلام کی بیماری اس طرح دور فرمائی گئی کہ ان سے فرمایا گیا۔ اپنا

پاؤں زمین پر رگڑو۔رگڑنے سے پانی کا چشمہ پیدا ہوا۔فرمایا اسے پی لو۔اور غسل فرمالو۔پینے سے اندرونی تکلیف دور ہوئی اور غسل سے بیرونی بیماری کو شفا ہوئی معلوم ہوا کہ پیغمبروں کے پاؤں کا دھوون اللہ کے حکم سے شفا ہے۔آج آب زمزم اس لئے شفا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ایڑی سے پیدا ہوا۔مدینہ پاک کی مٹی کو خاک شفا کہتے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں مبارک سے مس ہوگئی معلوم ہوا کہ بزرگ دافع بلا ہیں اور یہ برکتیں مافوق الاسباب ہیں۔

﴿ ۱ ﴾ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَ كَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِیْ نَفْسِیْ ۝ (پ۱۶،طٰہٰ:۹۶)

پس میں نے فرشتے کے اثر سے ایک مٹھی مٹی لے لی پس یہ مٹی اس بچھڑے میں ڈالدی میرے دل نے یہی چاہا۔

سامری نے حضرت جبریل علیہ السلام کی گھوڑی کے ٹاپ کے نیچے کی خاک اٹھالی اور سونے کے بچھڑے کے منہ میں ڈالی جس سے اس میں زندگی پیدا ہوگئی اور وہ آواز کرنے لگا یہ ہی اس آیت میں مذکور ہے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے تبرکات بے جان دھات میں جان ڈال سکتے ہیں باذن اللہ!

﴿ ۱ ﴾ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ التَّابُوْتُ فِیْهِ سَكِیْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِیَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَ اٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓىٕكَةُ (پ۲،البقرۃ:۲۴۸)

نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس صندوق آوے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے دل کا چین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں معزز موسیٰ اور معزز ہارون کے ترکہ کی اٹھائے لائیں گے اسے فرشتے۔

بنی اسرائیل کو ایک صندوق رب تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا تھا جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پگڑی، حضرت ہارون علیہ السلام کی نعلین شریف وغیرہ تھے اور

انہیں حکم تھا کہ جنگ میں اسے اپنے سامنے رکھیں فتح ہوگی۔اس آیت میں یہی واقعہ مذکور ہے جس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے تبرکات ان کی وفات کے بعد دافع البلاء ہیں خیال رہے مٹی سے جان پڑنا تبرکات سے فتح ہونا مافوق الاسباب مدد ہے۔

﴿۱﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ط (پ۹،الانفال:۳۳) — اور اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہیں دے گا حالانکہ آپ ان میں ہیں۔

﴿۲﴾ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ (پ۲۶،الفتح:۲۵) — اگر مسلمان مکہ سے نکل جاتے تو ہم کافروں پر عذاب بھیجتے۔

﴿۳﴾ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۵﴾ (پ۲۷،الذّٰریت:۳۵) — پس نکال دیا ہم نے قوم لوط کی بستی سے ان مومنوں کو جو وہاں تھے۔

ان آیات میں فرمایا کہ دنیا پر عذاب نہ آنے کی وجہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا تشریف فرما ہونا ہے نیز مکہ والوں پر فتح مکہ سے پہلے اس لئے عذاب نہ آیا کہ وہاں کچھ غریب مسلمان تھے قوم لوط پر عذاب جب آیا تو مومنین کو وہاں سے پہلے ہی نکال دیا معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور مومنین کے طفیل سے عذاب الٰہی نہیں آتا۔ یہ حضرات دافع البلاء ہیں بلکہ آج بھی ہمارے اس قدر گناہوں کے باوجود جو عذاب نہیں آتا یہ سب اس سبز گنبد کی برکت سے ہے۔اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا

تمہیں حاکم برایا تمہیں قاسم عطایا   تمہیں دافع بلایا تمہیں شافع خطایا

کوئی تم سا کون آیا

اعتراض: قرآن شریف سے ثابت ہے کہ بہت دفعہ پیغمبروں نے کسی کو دعا یا بددعا دی۔ مگر قبول نہ ہوئی پھر وہ مشکل کشا، دافع البلا کیسے ہوئے؟

جواب: یہ حضرات اللہ کے حکم سے دافع البلاء اور مشکل کشا ہیں جہاں اذن الٰہی نہ ہو وہاں بلا دفع نہ ہوگی۔ ہر چیز کا یہی حال ہے کہ خدا کے حکم سے نفع یا نقصان دیتی ہے غرضیکہ انبیاء واولیاء مافوق الاسباب مدد کرتے ہیں مشکلیں آسان، مصیبت دور فرماتے ہیں۔

مسئلہ نمبر ۳

تمہارے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی!

اللہ کے پیاروں کی زبان کن کی کنجی ہے جو ان کے منہ سے نکل جاتا ہے وہ اللہ کے حکم سے پورا ہو جاتا ہے۔اس پر قرآن شریف کی آیتیں گواہ ہیں۔

﴿۱﴾قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَکَ فِی الْحَیٰوۃِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ص وَاِنَّ لَکَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَہٗ ج (پ ۱۶، طٰہٰ:۹۷)

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اچھا جا تیری سزا دنیا کی زندگی میں یہ ہے کہ تو کہتا پھریگا کہ چھو نہ جانا اور بے شک تیرے لئے ایک وعدے کا وقت ہے جو تجھ سے خلاف نہ ہوگا

موسیٰ علیہ السلام سامری سے ناراض ہو گئے کیونکہ اس نے بچھڑا بنا کر لوگوں کو مشرک کر دیا تھا تو آپ کے منہ سے نکل گیا جا تیرے جسم میں یہ تاثیر پیدا ہو جائے گی کہ جس سے تو چھو جاوے تو اسے بھی بخار آجاوے اور تجھے بھی ایسا ہی ہوا اور وہ لوگوں سے کہتا پھرتا تھا کہ مجھے کوئی نہ چھونا اور فرمایا کہ یہ تو دنیا کی سزا ہے۔آخرت کی سزا اس کے علاوہ ہے۔

﴿۲﴾وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَیُصْلَبُ فَتَاْکُلُ الطَّیْرُ مِنْ رَّاْسِہٖ ط قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْہِ تَسْتَفْتِیٰنِ O (پ ۱۲، یوسف:۴۱)

اور لیکن دوسرا قیدی پس سولی دیا جائیگا اور پھر پرندے اس کا سر کھائیں گے فیصلہ ہو چکا اس بات کا جس کا تم سوال کرتے ہو۔

یوسف علیہ السلام سے جیل میں ایک قیدی نے اپنا خواب بیان کیا آپ نے تعبیر دی کہ تجھے سولی ہوگی۔ وہ بولا کہ میں نے خواب تو کچھ بھی نہ دیکھا تھا میں تو مذاق میں کہتا تھا آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تو نے خواب دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو جو میرے منہ سے نکل گیا وہ رب تعالیٰ کے ہاں فیصلہ ہوگیا، پتا لگا کہ ان کی زبان رب کا قلم ہے۔

﴿۱﴾ رَبَّنَا اطۡمِسۡ عَلٰۤی اَمۡوَالِہِمۡ وَاشۡدُدۡ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ فَلَا یُؤۡمِنُوۡا حَتّٰی یَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِیۡمَ ۝ (پ ۱۱، یونس: ۸۸)

موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے ہمارے رب فرعونیوں کے مال برباد کردے اور ان کے دل سخت کردے پس یہ نہ ایمان لاویں جب تک کہ دردناک عذاب دیکھ لیں۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرعونیوں کے لئے تین بد دعائیں کیں ایک یہ کہ ان کے مال ہلاک ہو جائیں۔ دوسرے اپنے جیتے جی یہ ایمان نہ لاویں۔ تیسرے یہ کہ مرتے وقت ایمان لاویں اور پھر ایمان قبول نہ ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ فرعونیوں کا روپیہ پیسہ، پھل، غلہ سب پتھر ہوگیا اور ایمان کی توفیق زندگی میں نہ ملی۔ اور ڈوبتے وقت فرعون ایمان لایا اور بولا: اٰمَنۡتُ بِرَبِّ مُوۡسٰی وَھَارُوۡنَ میں حضرت موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لاتا ہوں مگر ایمان قبول نہ ہوا۔ دیکھو فرعون کے سوا کوئی کافر قوم ایمان لا کر نہ مری جو کلیم اللہ علیہ السلام کے منہ سے نکلا وہ ہی ہوا۔

﴿۱﴾ وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰہٖمُ رَبِّ اجۡعَلۡ ہٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارۡزُقۡ اَہۡلَہٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ (پ ۱، البقرۃ: ۱۲۶)

جب ابراہیم نے عرض کیا کہ مولیٰ اس جگہ کو امن والا شہر بنادے اور یہاں کے باشندوں کو طرح طرح کے پھل دے۔

﴿۲﴾ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّۃً مُّسۡلِمَۃً لَّکَ ۪ (پ ۱، البقرۃ: ۱۲۸)

ابراہیم نے دعا کی کہ ہماری اولاد میں ہمیشہ ایک جماعت فرمانبردار رکھ۔

﴿۳﴾ رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ (پ ۱، البقرة: ۱۲۹)

اے رب ہمارے اسی مسلم جماعت میں وہ رسول آخری بھیج جوان پر تیری آیتیں تلاوت کرے۔

﴿۴﴾ رَبَّنَآ اِنِّيۡۤ اَسۡكَنۡتُ مِنۡ ذُرِّيَّتِيۡ بِوَادٍ غَيۡرِ ذِيۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَيۡتِكَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ فَاجۡعَلۡ اَفۡئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهۡوِيۡۤ اِلَيۡهِمۡ وَارۡزُقۡهُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمۡ يَشۡكُرُوۡنَ ○ (پ ۱۳، ابرٰھیم: ۳۷)

اے میرے رب میں نے اپنی کچھ اولاد ایک جنگل میں بسائی ہے جس میں کھیتی نہیں تیرے حرمت والے گھر کے پاس اے رب ہمارے اس لئے کہ نماز قائم رکھیں تو تو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کردے اور انہیں کچھ پھل کھانے کو دے شائد وہ احسان مانیں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی حسب ذیل دعاؤں کا ذکر فرمایا: ﴿۱﴾ اس جنگل کو شہر بنادے ﴿۲﴾ شہر امن والا ہو ﴿۳﴾ یہاں کے باشندوں کو روزی اور پھل دے ﴿۴﴾ ہماری اولاد سب کافر نہ ہوجائے۔ ہمیشہ کچھ مسلمان ضرور رہیں ﴿۵﴾ اس مومن اولاد میں نبی آخر الزمان پیدا ہوں ﴿۶﴾ لوگوں کے دل اس بستی کی طرف مائل فرمادے۔ ﴿۷﴾ یہ لوگ نماز قائم رکھیں۔

آج بھی دیکھ لو کہ یہ سات دعائیں کیسی قبول ہوئیں۔ وہاں آج تک مکہ شریف آباد ہے آپ کی ساری اولاد کافر نہ ہوئی سید صاحبان سب گمراہ نہیں ہو سکتے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اسی مومن جماعت میں پیدا ہوئے۔ وہاں باوجودیکہ کھیتی باڑی نہیں مگر رزق اور پھل کی کثرت ہے ہر جگہ قحط سے لوگ مرتے ہیں مگر وہاں آج

تک کوئی قحط سے نہیں مرا مسلمانوں کے دل مکہ شریف کی طرف کیسے مائل ہیں وہ دن رات دیکھنے میں آرہا ہے کہ فاسق وفاجر بھی مکہ پر فدا ہیں۔

نوٹ ضروری: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے منہ سے نکل گیا کہ **بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ** بے کھیتی والا جنگل تاثیر تو دیکھو کہ اب تک وہ جگہ ریتلی ہی ہے کہ وہاں کھیتی ہوسکتی ہی نہیں۔ یہ ان کی زبان کی تاثیر ہے۔ اور کیوں نہ ہو رب تعالیٰ نے فرمایا: اپنا لڑکا ذبح کردو۔ عرض کیا: بہت اچھا۔ فرمایا: اپنے کو نمرود کی آگ میں ڈال دو۔ عرض کیا: بہت اچھا۔ فرمایا: اپنے بچے بیوی کو ویران جنگل میں بے آب ودانہ چھوڑ آؤ۔ عرض کیا: بہت اچھا۔ یہ نہ پوچھا کہ کیوں؟ جب وہ رب تعالیٰ کی اتنی مانتے ہیں تو رب تعالیٰ بھی ان کی مانتا ہے۔ خلیل نے کہا جلیل نے مانا غرضکہ انکی زبان کن کی کنجی ہے۔

﴿۱﴾ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ دَیَّارًا o اِنَّکَ اِنْ تَذَرْهُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَکَ وَلَا یَلِدُوْۤا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا o رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِناً وَّلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا تَبَارًا

(پ۲۹، نوح: ۲۶۔۲۸)

اور نوح نے عرض کیا کہ اے رب میرے زمین پر کافروں میں سے کوئی رہنے والا نہ چھوڑ، بے شک اگر تو انہیں چھوڑے گا تو تیرے بندوں کو گمراہ کردیں گے اور نہ جنیں گے مگر بدکار ناشکر کو۔ اے میرے رب مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور اسے جو ایمان کے ساتھ میرے گھر میں ہے اور سب مسلمان مردوں اور سب مسلمان عورتوں کو اور کافروں کو نہ بڑھا مگر تباہی

سورۂ نوح کی ان آخری تین آیتوں میں نوح علیہ السلام کی تین دعائیں ذکر

ہوئیں۔سارے کافروں کو ہلاک کردے کہ اب ان کی اولاد بھی کافر ہی ہوگی۔میری اور میرے ماں باپ کی مغفرت کر اور جو میرے گھر میں پناہ لے لے اسے بھی بخش دے۔ان دعاؤں کو رب تعالیٰ نے حرف بحرف قبول فرمایا۔سارے عالم کے کافر غرق کردیے گئے۔آپ کے ماں باپ کی مغفرت کی گئی اور جس نے کشتی میں پناہ لی اسے بچالیا گیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ نے نبوت کی عینک سے ان کی ہونے والی اولاد تک کا حال معلوم کرلیا کہ وہ کافر ہی ہوگی۔خلاصہ یہ ہوا کہ ان حضرات کی زبانیں ''کن'' کی کنجی ہیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی جو دعا ارادہ الٰہی کے خلاف ہوتی ہے اس سے انہیں روک دیا جاتا ہے تاکہ ان کی زبان خالی نہ جاوے اور یہ انتہائی عظمت ہوتی ہے۔رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ج اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ج وَ اِنَّهُمْ اٰتِیْهِمْ عَذَابٌ غَیْرُ مَرْدُوْدٍ ۝ (پ ۱۲، هود: ۷۶)

اے ابراہیم اس دعا سے اعراض کرو قوم لوط پر عذاب آنے والا ہے نہیں لوٹ سکتا۔

﴿۲﴾ لَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ط (پ ۱۰، التوبة: ۸۴)

آپ منافقین میں سے کسی پر جو مرجائے نماز نہ پڑھیں اور اس کی قبر پر کھڑے نہ ہوں۔

ابراہیم علیہ السلام نے قوم لوط کے لئے دعا فرمائی لیکن چونکہ ان کی نجات ارادہ الٰہی کے خلاف تھی لہٰذا انہیں اس سے روک دیا گیا۔ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو

منافق پر جنازہ سے روک دیا گیا کیونکہ اس نماز میں میت کے لئے دعا بخشش ہوتی ہے اور منافقین کی بخشش ارادۂ الٰہی کے خلاف ہے لہٰذا آپ کو اور آپ کے صدقے سے سب کو اس سے منع کر دیا گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان حضرات کی دعا قبول ہو تو بھی ان کی عظمت اور اگر ان کی دعا کسی وجہ سے قبول نہ بھی ہو سکے تو بھی ان کی عظمت ہے، ان کی مثل کوئی ہو سکتا ہی نہیں۔

مسئلہ نمبر۴

محبوبانِ خدا دور سے سنتے دیکھتے ہیں۔

اللہ کے پیارے بندے نزدیک و دور کی چیزیں دیکھتے ہیں اور دور کی آہستہ آواز بھی باذنِ الٰہی سنتے ہیں۔ قرآن کریم اس پر گواہ ہے۔

﴿۱﴾ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا (پ۱۹، النمل:۱۸،۱۹)	ایک چیونٹی بولی کہ اے چیونٹیو اپنے گھروں میں چلی جاؤ تمہیں کچل نہ ڈالیں سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں تو سلیمان اس چیونٹی کی آواز سن کر مسکرا کر ہنسے۔

چیونٹی کی آواز نہایت باریک جو ہم کو قریب سے بھی معلوم نہیں ہوتی حضرت سلیمان علیہ السلام نے کئی میل دور سے سنی کیونکہ وہ اس وقت چیونٹیوں سے کہہ رہی تھی جب آپ کا لشکر ابھی اس جنگل میں داخل نہ ہوا تھا اور لشکر تین میل میں تھا تو آپ نے یہ آواز یقیناً تین میل سے زیادہ فاصلہ سے سنی۔ رہا چیونٹیوں کا یہ کہنا کہ ''وہ بے خبری

میں کچل دیں۔'' اس سے مراد بے علمی نہیں ہے بلکہ ان کا عدل وانصاف بتانا مقصود ہے کہ وہ بے قصور چیونٹی کو بھی نہیں مارتے۔ اگر تم کچلی گئیں تو اس کی وجہ صرف ان کی بے توجہی ہو گی کہ تمہارا خیال نہ کریں اور تم کچلی جاؤ۔

﴿۱﴾ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّىْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَاۤ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ۝ (پ ۱۳، یوسف: ۹۴)

جب قافلہ مصر سے جدا ہوا یہاں ان کے باپ نے کہا کہ بے شک میں یوسف کی خوشبو پاتا ہوں اگر تم مجھے سٹھا ہوا نہ کہو۔

یعقوب علیہ السلام کنعان میں ہیں اور یوسف علیہ السلام کی قمیص مصر سے چلی ہے اور آپ نے خوشبو یہاں سے پالی۔ یہ نبوت کی طاقت ہے۔

﴿۲﴾ قَالَ الَّذِىْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ؕ (پ ۱۹، النمل: ۴۰)

اس نے کہا جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے آپ کے پاس حاضر کردوں گا آپ کے پلک مارنے سے پہلے۔

آصف شام میں ہیں اور بلقیس کا تخت یمن میں اور فوراً لانے کی خبر دے رہے ہیں اور لانا جانے کے بغیر ناممکن ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ اس تخت کو یہاں سے دیکھ رہے ہیں یہ ہے ولی کی نظر۔

﴿۳﴾ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِىْ بُيُوْتِكُمْ ؕ (پ ۳، ال عمرٰن: ۴۹)

عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمہیں خبر دیتا ہوں اس کی جو تم اپنے گھروں میں کھاتے ہو اور جو جمع کرتے ہو۔

عیسیٰ علیہ السلام کی آنکھ گھروں کے اندر جو ہو رہا ہے اسے دور سے دیکھ رہی ہے کہ کون کھا رہا ہے اور کیا رکھ رہا ہے یہ ہے نبی کی قوت نظر۔

﴿۴﴾ اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ط (پ۸،الاعراف:۲۷)
وہ ابلیس اور اس کا قبیلہ تم سب کو دیکھتے ہیں جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھتے۔

﴿۱﴾ قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ۔ (پ۲۱،السجدۃ:۱۱)
فرمادو تم سب کو موت کا فرشتہ موت دیگا جو تم پر مقرر کیا گیا ہے۔

شیطان اور اس کی ذریت کو گمراہ کرنے کے لئے، ملک الموت کو جان نکالنے کے لئے یہ طاقت دی کہ عالم کے ہر انسان بلکہ ہر جاندار کو دیکھ لیتے ہیں تو انبیاء و اولیاء کو جو رہبر و ہادی ہیں سارے عالم کی خبر ہونا لازم ہے تاکہ دوا کی طاقت بیماری سے کم نہ ہو۔

﴿۲﴾ وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ (پ۱۷،الحج:۲۷)
اور لوگوں کو حج کا اعلان سنا دو وہ آئیں گے تمہارے پاس پیدل اور ہر اونٹنی پر۔

ابراہیم علیہ السلام کی آواز تمام انسانوں نے سنی جو قیامت تک ہونے والے ہیں۔

﴿۳﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ O (پ۷،الانعام:۷۵)
اور اس طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اور اس لئے کہ وہ عین الیقین والوں میں سے ہوجائیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کی آنکھوں کو رب تعالیٰ نے وہ بینائی بخشی کہ انہوں نے "تحت الثریٰ" سے "عرش اعلیٰ" تک دیکھ لیا۔ کیونکہ خدا کی بادشاہی تو ہر جگہ ہے اور ساری بادشاہی انہیں دکھائی گئی۔

﴿۴﴾ اَلَمْ تَرَ كَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ O (پ۳۰،الفیل:۱)
کیا نہ دیکھا آپ نے کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں سے کیا کیا؟

﴿۱﴾ **اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۙ**(پ ۳۰، الفجر: ٦) کیا نہ دیکھا آپ نے اے محبوب کہ آپ کے رب نے قوم عاد سے کیا کیا؟

اصحاب فیل کی تباہی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت شریف سے چالیس دن پہلے ہے اور قوم عاد وثمود پر عذاب آنا حضور کی ولادت شریف سے ہزاروں برس پہلے ہے لیکن ان دونوں قسم کے واقعوں کے لئے رب تعالیٰ نے استفہام انکاری کے طور پر فرمایا: ''اَلَمۡ تَرَ'' کیا آپ نے یہ واقعات نہ دیکھے یعنی دیکھے ہیں معلوم ہوا کہ نبی کی نظر گذشتہ آئندہ سب کو دیکھتی ہے اس لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے معراج کی رات دوزخ میں مختلف قوموں کو عذاب پاتے دیکھا۔ حالانکہ ان کا عذاب پانا قیامت کے بعد ہوگا۔ اس لئے رب تعالیٰ نے فرمایا:

﴿۲﴾ **سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ۝**(پ ۱۵، بنی اسرآءیل: ۱) پاک ہے وہ اللہ جو راتوں رات لے گیا اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے آس پاس ہم نے برکت دے رکھی ہے تاکہ ہم اسے اپنی نشانیاں دکھائیں بے شک وہ بندہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نظر نے اگلے پچھلے واقعات، اللہ کی ذات، صفات، نشانیاں، قدرت سب کو دیکھا۔

اعتراض: یعقوب علیہ السلام کی نظر اور قوت شامہ اگر اتنی تیز تھی کہ مصر کے حالات معلوم کر لیئے تو چالیس سال تک فراق یوسف میں کیوں روتے رہے ان کے رونے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ یوسف علیہ السلام سے بے خبر تھے۔

جواب: اس کا آسان جواب تو یہ ہے کہ انبیاء کی تمام قوتیں اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہیں جب چاہتا ہے تب انہیں ادھر متوجہ کر دیتا ہے اور جب چاہتا ہے ادھر متوجہ نہیں فرماتا۔ بے علمی اور ہے بے توجہی کچھ اور۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ یعقوب علیہ السلام کا گریہ عشق الٰہی میں تھا یوسف علیہ السلام اس کا سبب ظاہری تھے مجاز حقیقت کا پل ہے ورنہ آپ یوسف علیہ السلام کے ہر حال سے واقف تھے خود قرآن کریم نے ان کے کچھ قول ایسے نقل فرمائے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب کچھ جانتے تھے۔ فرماتا ہے۔

﴿۱﴾ **قَالَ اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّیْ وَ حُزْنِیْۤ اِلَى اللّٰهِ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ یٰبَنِیَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ یُّوْسُفَ وَ اَخِیْهِ وَ لَا تَایْــٴَـسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ** ط (پ۱۳،یوسف:۸۶،۸۷)

میں اپنی پریشانی اور غم کی فریاد اللہ سے کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے اے بچو! جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کا سراغ لگاؤ اور اللہ سے ناامید نہ ہو۔

﴿۲﴾ **عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَنِیْ بِهِمْ جَمِیْعًا** ط (پ۱۳،یوسف:۸۳)

قریب ہے کہ اللہ ان تینوں یہودا، بنیامین، یوسف کو میرے پاس لائے گا۔

پہلی آیت میں فرمایا گیا کہ برادران یوسف علیہ السلام بنیامین کو مصر میں چھوڑ کر آئے تھے مگر آپ فرماتے ہیں یوسف اور اس کے بنیامین بھائی کا سراغ لگاؤ یعنی وہ دونوں ایک ہی جگہ ہیں دوسری آیت سے معلوم ہوا کہ دوبارہ مصر میں بظاہر یہودا اور بینامین دونوں گئے تھے مگر آپ فرماتے ہیں کہ اللہ ان تینوں کو میرے پاس لائے گا تیسرے کون تھے وہ یوسف علیہ السلام ہی تو تھے۔

﴿۳﴾ وَ کَذٰلِکَ یَجۡتَبِیۡکَ رَبُّکَ وَیُعَلِّمُکَ مِنۡ تَاۡوِیۡلِ الۡاَحَادِیۡثِ (پ ۱۲،یوسف:٦) اے یوسف تمہیں اللہ اسی طرح نبوت کے لئے چنے گا اور تمہیں باتوں کا انجام بتائے گا۔

خود تعبیر دے چکے ہیں کہ تم نبی بنو گے اور علم تعبیر دیئے جاؤ گے اور ابھی تک وہ تعبیر ظاہر نہ ہوئی تھی اور آپ جانتے تھے کہ یہ خواب سچا ہے ضرور ظاہر ہوگا۔

اعتراض: حضرت سلیمان علیہ السلام کو بلقیس کے ملک کی خبر نہ ہوئی ہد ہد نے کہا

اَحَطۡتُّ بِمَا لَمۡ تُحِطۡ بِہٖ وَجِئۡتُکَ مِنۡ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ یَّقِیۡنٍ ۝ (پ ۱۹،النمل:۲۲) میں وہ بات دیکھ آیا ہوں جو آپ نے نہ دیکھی اور میں آپ کے پاس سبا سے سچی خبر لایا ہوں۔

اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

قَالَ سَنَنۡظُرُ اَصَدَقۡتَ اَمۡ کُنۡتَ مِنَ الۡکٰذِبِیۡنَ ۝ (پ ۱۹،النمل:۲۷) فرمایا اب ہم دیکھیں گے کہ تو نے سچ کہا یا تو جھوٹوں میں سے ہے۔

اگر آپ ملک بلقیس سے واقف ہوتے تو بلقیس کے پاس خط بھیج کر یہ تحقیق کیوں فرماتے کہ ہد ہد سچا ہے یا جھوٹا معلوم ہوا کہ آپ بلقیس سے بے خبر تھے اور ہد ہد خبردار تھا پتا لگا کہ نبی کے علم سے جانور کا علم زیادہ ہوسکتا ہے۔ (وہابی دیوبندی)

جواب: ان آیات میں رب تعالیٰ نے کہیں نہ فرمایا کہ سلیمان علیہ السلام کو علم نہ تھا ہد ہد نے بھی آکر یہ نہ کہا کہ آپ کو بلقیس کی خبر نہیں وہ کہتا ہے اَحَطۡتُّ بِمَا لَمۡ تُحِطۡ میں وہ چیز دیکھ کر آیا جو آپ نے نہ دیکھی۔ یعنی نہ آپ وہاں گئے تھے نہ دیکھ کر آئے تھے۔ یہ کہاں سے پتا لگا کہ آپ بے خبر بھی تھے اگر بے خبر ہوتے تو جب آصف کو حکم دیا کہ بلقیس کا تخت لاؤ تو آصف نے کہا کہ حضور میں نے وہ جگہ دیکھی نہیں نہ مجھے خبر ہے کہ

اس کا تخت کہاں رکھا ہے آپ ہدہد کو میرے ساتھ بھیجیں وہ راستہ دکھائے تو میں لا دوں گا نہ کسی سے راستہ پوچھا نہ پتا دریافت کیا بلکہ آناً فاناً حاضر کر دیا۔ اگر وہ تخت ان کی نگاہوں کے سامنے نہ تھا تو لے کیسے آئے جب آصف کی نگاہ سے تخت غائب نہیں تو حضرت سلیمان علیہ السلام سے کیسے غائب ہوگا۔ مگر ہر کام کا ایک وقت اور ایک سبب ہوتا ہے بلقیس کے ایمان لانے کا یہ ہی وقت تھا اور ہدہد کو اس کا سبب بنانا منظور تھا تاکہ پتا لگے کہ پیغمبروں کے درباری جانور بھی لوگوں کو ایمان دیا کرتے ہیں اس لیے اس سے پہلے آپ کو بلقیس کی خبر نہ دی۔ آپ کا تحقیق فرمانا بے علمی کی دلیل نہیں ورنہ رب تعالیٰ بھی قیامت میں تمام مخلوق کے اعمال کی تحقیق فرما کر فیصلہ کرے گا۔ تو چاہئے کہ وہ بھی بے خبر ہو۔

مسئلہ نمبر ۵

مردے سنتے ہیں اور محبوبین بعد وفات مدد کرتے ہیں

اس مسئلہ کی تحقیق پہلے بابوں میں ہو چکی ہے کہ مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ ہے کہ مردے سنتے ہیں اور زندوں کے حالات دیکھتے ہیں کچھ اجمالی طور سے یہاں عرض کیا جاتا ہے۔

﴿۱﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ o فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ o (پ۸، الاعراف: ۷۸۔۷۹)	پس پکڑ لیا قوم صالح کو زلزلے نے تو وہ صبح کو اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے پھر صالح نے ان سے منہ پھیرا اور کہا کہ اے میری قوم میں نے تمہیں اپنے رب کی رسالت پہنچا دی اور تمہاری خیر خواہی کی لیکن تم خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے۔

﴿۲﴾فَتَوَلّٰی عَنۡهُمۡ وَقَالَ یٰقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُكُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّیۡ وَنَصَحۡتُ لَكُمۡ ۚ فَكَیۡفَ اٰسٰی عَلٰی قَوۡمٍ كٰفِرِیۡنَ ○(پ ۹،الاعراف:۹۳)

توشعیب نے ان مرے ہوؤں سے منہ پھیرااور کہااے میری قوم میں تمہیں اپنے رب کی رسالت پہنچا چکااور تمہیں نصیحت کی تو کیوں کرغم کروں کافروں پر۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ صالح علیہ السلام اور شعیب علیہ السلام نے ہلاک شدہ قوم پر کھڑے ہوکران سے یہ باتیں کیں۔

﴿۳﴾وَسۡئَلۡ مَنۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رُّسُلِنَاۤ ۚ اَجَعَلۡنَا مِنۡ دُوۡنِ الرَّحۡمٰنِ اٰلِهَةً یُّعۡبَدُوۡنَ ○

(پ ۲۵،الزخرف:۴۵)

ان رسولوں سے پوچھو جو ہم نے آپ سے پہلے بھیجے کیا ہم نے رحمٰن کے سوا اور خدا ٹھہرائے ہیں جو پوجے جاویں۔

گزشتہ نبی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں وفات پا چکے تھے فرمایا جارہا ہے کہ وفات یافتہ رسولوں سے پوچھو کہ ہم نے شرک کی اجازت نہ دی تو ان کی امتیں ان پر تہمت لگا کر کہتی ہیں کہ ہمیں شرک کا حکم ہمارے پیغمبروں نے دیا ہے۔

اگر مردے نہیں سنتے تو ان سے پوچھنے کے کیا معنی؟ بلکہ اس تیسری آیت سے تو یہ معلوم ہوا کہ خاص بزرگوں کو مردے جواب بھی دیتے ہیں اور وہ جواب بھی سن لیتے ہیں۔اب بھی کشف قبور کرنے والے مردوں سے سوال کر لیتے ہیں۔اس لئے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بدر کے مقتول کافروں سے پکار کر فرمایا کہ بولو میرے تمام فرمان سچے تھے یا نہیں۔فاروق اعظم نے عرض کیا کہ بے جان مردوں سے آپ کلام کیوں فرماتے ہیں تو فرمایا وہ تم سے زیادہ سنتے ہیں۔(صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب فی عذاب القبر، الحدیث ۱۳۷۰،ج ۱،ص ۴۶۲،دار الکتب العلمیۃ بیروت)

دوسری روایت میں ہے کہ دفن کے بعد جب زندے واپس ہوتے ہیں تو مردہ ان کے پاؤں کی آہٹ سنتا ہے۔(مکاشفة القلوب،الباب الخامس والاربعون فی بیان القبر وسؤاله،ص ۱۷۱،دار الکتب العلمیةبیروت)

اسی لئے ہم نمازوں میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کوسلام کرتے ہیں اور کھانا کھانے والے، استنجا کرنے والے، سوتے ہوئے کوسلام کرنا منع ہے کیونکہ وہ جواب نہیں دے سکتے تو جو جواب نہ دے سکے اسے سلام کرنا منع ہے اگر مردے نہ سنتے ہوتے تو قبرستان جاتے وقت انہیں سلام نہ کیا جاتا اور نماز میں حضور کوسلام نہ ہوتا۔

ضروری ہدایت: زندگی میں لوگوں کی سننے کی طاقت مختلف ہوتی ہے بعض قریب سے سنتے ہیں جیسے عام لوگ اور بعض دور سے بھی سن لیتے ہیں جیسے پیغمبر اور اولیاء۔ مرنے کے بعد یہ طاقت بڑھتی ہے گھٹتی نہیں لہٰذا عام مردوں کو ان کے قبرستان میں جا کر پکار سکتے ہیں دور سے نہیں لیکن انبیاء واولیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو دور سے بھی پکار سکتے ہیں کیونکہ وہ جب زندگی میں دور سے سنتے تھے تو بعد وفات بھی سنیں گے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ہر جگہ سے سلام عرض کرو مگر دوسرے مردوں کو صرف قبر پر جا کر دور سے نہیں۔

دوسری ہدایت: اگرچہ مرنے کے بعد روح اپنے مقام پر رہتی ہے لیکن اس کا تعلق قبر سے ضرور رہتا ہے کہ عام مردوں کو قبر پر جا کر پکارا جاوے تو سنیں گے مگر اور جگہ سے نہیں۔ جیسے سونے والا آدمی کہ اس کی ایک روح نکل کر عالم میں سیر کرتی ہے لیکن اگر اس کے جسم کے پاس کھڑے ہو کر آواز دو تو سنے گی۔ دوسری جگہ سے نہیں سنتی۔

اعتراض: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو جو نماز وغیرہ میں سلام کیا جاوے اس میں یہ نیت نہ ہو کہ آپ سن رہے ہیں بلکہ جیسے کسی سے سلام کہلا کر بھیجتے ہیں یا کسی کو خط میں سلام لکھتے ہیں ایسے ہی سلام کیا جائے کیونکہ دور کے آدمی کا سلام فرشتے پہنچاتے ہیں اور پاس والے کا سلام خود حضور سنتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ (وہابی)

جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ تمہارے عقیدے کے یہ بھی خلاف ہے کہ تم تو کہتے ہو کہ مردے سنتے ہی نہیں اور آیات پیش کرتے ہو اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبر انور میں سے سن لیا تو تمہارے قول کے خلاف ہو گیا۔ دوسرے یہ کہ جب کسی کے ہاتھ سلام کہہ کر بھیجتے ہیں تو اسے خطاب کر کے السلام علیکم نہیں کہتے بلکہ جانے والے کو کہتے ہیں کہ ہمارا سلام کہہ دینا ہم لوگ نماز وغیرہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو خط تو لکھتے نہیں تمہارے قول کے مطابق فرشتوں سے کہلا کر بھیجتے ہیں تو اس صورت میں یہ نہ کہا جاتا کہ اے نبی تم پر سلام ہو بلکہ یوں کہا جانا چاہئے کہ اے فرشتو! حضور سے ہمارا سلام کہنا، خطاب فرشتوں سے ہونا چاہیے تھا۔ تیسرے یہ کہ تمہاری پیش کردہ حدیث میں یہ نہیں ہے کہ دور والے کا سلام نہیں سنتے صرف یہ ہے کہ دور والے کا سلام ملائکہ پیش کرتے ہیں ہوسکتا ہے کہ ملائکہ بھی پیش کرتے ہوں اور سرکار خود بھی سنتے ہوں، جیسے کہ فرشتے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں بندوں کے اعمال پیش کرتے ہیں تو خدا کیا ان کے اعمال خود نہیں جانتا ضرور جانتا ہے مگر پیشی بھی ہوتی ہے۔

اعتراض: مردے نہیں سنتے قرآن کریم فرما رہا ہے:

﴿۱﴾ وَمَآ اَنۡتَ بِمُسۡمِعٍ مَّنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ ○ (پ۲۲، فاطر:۲۲) — تم قبر والوں کو نہیں سنا سکتے۔

﴿۲﴾اِنَّکَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰی وَلَا تُسۡمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوۡا مُدۡبِرِیۡنَ ۝ وَمَاۤ اَنۡتَ بِهٰدِی الۡعُمۡیِ عَنۡ ضَلٰلَتِهِمۡ ط(پ ۲۰،النمل: ۸۰،۸۱)

پس تم نہیں سنا سکتے مردوں کو اور نہیں سنا سکتے بہروں کو پکار جب وہ پیٹھ دے کر پھریں اور نہ اندھوں کو ان کی گمراہی سے راہ پر لاؤ۔

ان آیات میں صاف بتایا گیا کہ قبر والے اور مردے نہیں سنتے۔

جواب: اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ تم بھی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سننے کے قائل ہو کہ جو قبر انور پر سلام پڑھا جاوے وہ سرکار سن لیتے ہیں وہ بھی اس آیت کے خلاف ہوا۔ دوسرے یہ کہ آیت میں یہ بھی ہے کہ تم اندھوں کو گمراہی سے نہیں نکال سکتے حالانکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے ہزاروں اندھے ہدایت پر آ گئے۔ تیسرے یہ کہ یہاں قبر والوں اور مردوں، اندھوں اور بہروں سے مراد وہ کفار ہیں جن پر مہر ہو چکی جن کے ایمان کی توقع نہیں اسے خود قرآن کریم بتا رہا ہے۔ چنانچہ تمہاری پیش کردہ انہی آیات کے آخر میں یہ ہے۔

﴿۱﴾اِنۡ تُسۡمِعُ اِلَّا مَنۡ یُّؤۡمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ۝ (پ ۲۰،النمل: ۸۱)

تم اس کو سناتے ہو جو ہماری آیتوں پر ایمان لاویں اور وہ مسلمان ہوں۔

یہ سورۂ نمل اور سورۂ روم میں دونوں جگہ ہے اگر وہاں اندھے، بہرے، مردے سے مراد یہ اندھے اور مردے ہوتے تو ان کے مقابل ایمان اور اسلام کا ذکر کیوں ہوتا۔ پتا لگا کہ اس سے دل کے مردے، دل کے اندھے مراد ہیں۔ انہیں مردہ بہرہ اس لئے فرمایا کہ جیسے مردے پکار سے نفع اور نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ ایسے ہی یہ لوگ ہیں نیز قرآن کریم کافروں کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿۲﴾ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ۝ (پ ۱، البقرة: ۱۸)

یہ کفار بہرے، گونگے، اندھے ہیں پس وہ نہ لوٹیں گے۔

﴿۳﴾ اَوَ مَنْ كَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِی الظُّلُمٰتِ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَاؕ كَذٰلِكَ زُیِّنَ لِلْكٰفِرِیْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ (پ ۸، الانعام: ۱۲۲)

اور کیا وہ جو مردہ تھا تو ہم نے اسے زندہ کردیا اور اس کے لئے ایک نور کردیا جس سے لوگوں میں چلتا ہے وہ اس جیسا ہوگا جو اندھیروں میں ہے ان سے نکلنے والا نہیں یوں ہی کافروں کی آنکھ میں ان کے اعمال بھلے کردیئے گئے ہیں۔

اس آیت میں مردے سے مراد کافر، زندگی سے مراد ہدایت، اندھیروں سے مراد کفر، روشنی سے مراد ایمان ہے۔ یہ آیت تمہاری پیش کردہ آیات کی تفسیر ہے۔

﴿۴﴾ مَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی وَ اَضَلُّ سَبِیْلًا ۝ (پ ۱۵، بنی اسرآءیل: ۷۲)

جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہے اور راستے سے بہکا ہوا ہے۔

اس میں بھی اندھے سے مراد دل کا اندھا ہے نہ کہ آنکھ کا اندھا، بہرحال جن آیتوں میں اندھوں، مردوں، بہروں کے نہ سننے نہ ہدایت پانے کا ذکر ہے۔ وہاں کفار مراد ہیں بلکہ مردے مدد بھی کرتے ہیں آیات ملاحظہ ہوں۔

﴿۱﴾ وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗؕ (پ ۳، اٰل عمرٰن: ۸۱)

اور وہ وقت یاد کرو جب اللہ نے نبیوں کا عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تمہارے پاس رسول تشریف لاویں جو تمہاری کتابوں کی تصدیق کریں تو تم ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں سے عہد لیا کہ تم محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا اوران کی مدد کرنا حالانکہ وہ پیغمبر آپ کے زمانہ میں وفات پا چکے تو پتا لگا کہ وہ حضرات بعد وفات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان بھی لائے اور روحانی مدد بھی کی چنانچہ سب نبیوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے معراج کی رات نماز پڑھی یہ اس ایمان کا ثبوت ہوا حج وداع میں بہت سے پیغمبر آپ کے ساتھ حج میں شریک ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام نے اسلام والوں کی مدد کی کہ پچاس نمازوں کی پانچ کرادیں آخر میں عیسیٰ علیہ السلام بھی ظاہری مدد کے لئے آئیں گے اموات کی مدد ثابت ہوئی۔

﴿۲﴾ وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا○ (پ ۵، النساء: ٦٤)

اور اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو تمہارے پاس آجاویں پھر خدا سے مغفرت مانگیں اور رسول بھی ان کیلئے دعاء مغفرت کریں تو اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مدد سے توبہ قبول ہوتی ہے اور یہ مدد زندگی سے خاص نہیں بلکہ قیامت تک یہ حکم ہے یعنی بعد وفات بھی ہماری توبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی کی مدد سے قبول ہوگی بعد وفات مدد ثابت ہوئی ۔اسی لئے آج بھی حاجیوں کو حکم ہے کہ مدینہ منورہ میں سلام پڑھتے وقت یہ آیت پڑھ لیا کریں اگر یہ آیت فقط زندگی کے لئے تھی تو اب وہاں حاضری کا اوراس آیت کے پڑھنے کا حکم کیوں ہے۔

﴿۳﴾ وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ○ (پ۱۷،الانبیاء:۱۰۷) اورنہیں بھیجا ہم نے آپ کومگر جہانوں کے لئے رحمت۔

حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم تمام جہانوں کی رحمت ہیں اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد بھی جہان تو رہے گا اگر آپ کی مدد اب بھی باقی نہ ہو تو عالم رحمت سے خالی ہو گیا۔

﴿۴﴾ وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیۡرًا وَّنَذِیۡرًا (پ۲۲،سبا:۲۸) اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کومگر تمام لوگوں کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر۔

اس "لِلنَّاسِ" میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو حضور صلی اللہ تعالٰی وآلہ وسلم کی وفات کے بعد آئے اور آپ کی یہ مدد تا قیامت جاری ہے۔

﴿۵﴾ وَکَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ یَسۡتَفۡتِحُوۡنَ عَلَی الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمۡ مَّا عَرَفُوۡا کَفَرُوۡا بِهٖ ۫ (پ۱،البقرۃ:۸۹) اور یہ بنی اسرائیل کافروں کے مقابلہ میں اسی رسول کے ذریعہ سے فتح کی دعا کرتے تھے پھر جب وہ جانا ہوا رسول ان کے پاس آیا تو یہ ان کا انکار کر بیٹھے۔

معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے بھی لوگ آپ کے نام کی مدد سے دعائیں کرتے اور فتح حاصل کرتے تھے۔ جب حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی مدد دنیا میں آنے سے پہلے شامل حال تھی تو بعد بھی رہے گی اسی لئے آج بھی حضور کے نام کا کلمہ مسلمان بناتا ہے۔ درود شریف سے آفات دور ہوتی ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے تبرکات سے فائدہ ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے تبرکات سے بنی اسرائیل جنگوں میں فتح حاصل کرتے تھے۔ یہ سب بعد وفات کی مدد ہے بلکہ

حقیقت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ وآلہ وسلم ! اب بھی بحیات حقیقی زندہ ہیں ایک آن کے لئے موت طاری ہوئی اور پھر دائمی زندگی عطا فرما دی گئی قرآن کریم تو شہیدوں کی زندگی کا بھی اعلان فرما رہا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا ثبوت یہ ہے کہ زندوں کے لئے کہا جاتا ہے کہ فلاں عالم ہے، حافظ ہے، قاضی ہے اور مردوں کے لئے کہا جاتا ہے کہ وہ عالم تھا، زندوں کے لئے ''ہے'' اور مردوں کے لئے ''تھا'' استعمال ہوتا ہے۔ نبی کا کلمہ جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ کی زندگی میں پڑھتے تھے وہی کلمہ قیامت تک پڑھا جاوے گا کہ حضور اللہ کے رسول ہیں۔ صحابہ کرام بھی کہتے تھے کہ حضور اللہ کے رسول ہیں۔ شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین ہیں اور ہم بھی یہ ہی کہتے ہیں اگر آپ زندہ نہ ہوتے تو ہمارا کلمہ بدل جانا چاہئے تھا ہم کلمہ یوں پڑھتے کہ حضور اللہ تعالیٰ کے رسول تھے، جب آپ کا کلمہ نہ بدلا تو معلوم ہوا کہ آپ کا حال بھی نہ بدلا لہٰذا آپ اپنی زندگی شریف کی طرح ہی سب کی مدد فرماتے ہیں ہاں اس زندگی کا ہم کو احساس نہیں۔

مسئلہ نمبر ۶

یادگاریں قائم کرنا اور بڑی تاریخوں پر خوشیاں منانا

جس تاریخ یا جس دن میں کبھی کوئی نعمت آئی ہوتا قیامت وہ تاریخ معظم ہوجاتی ہے۔ اس تاریخ میں یادگاریں منانا، خوشیاں منانا، خوشی میں عبادتیں کرنا حکم قرآن ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ (پ ۲، البقرۃ: ۱۸۵) — رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا۔

﴿۲﴾ اِنَّـآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ o وَمَـآ اَدۡرٰکَ مَا لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ o لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ ۙ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ o

بے شک ہم نے قرآن شب قدر میں اتارا اور تمہیں کیا خبر کہ شب قدر کیا ہے شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

(پ ۳۰، القدر: ۱۔۳)

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ شب قدر اور ماہ رمضان کی اتنی عظمت ہے کہ شب قدر تو ہزار ماہ سے افضل ہوگئی اور ماہ رمضان باقی مہینوں سے بہتر ہوگیا اور اس کا نام قرآن میں آیا اس کے سوا کسی مہینہ کا نام قرآن میں نہ آیا محض اس لئے کہ یہ مہینہ اور یہ رات قرآن کے نزول کا وقت ہے قرآن تو ایک دفعہ اتر چکا مگر ان کی یہ عظمت ہمیشہ کیلئے ہوگئی۔

﴿۳﴾ وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثۡ o

اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔

(پ ۳۰، الضحی: ۱۱)

﴿۴﴾ قُلۡ بِفَضۡلِ اللّٰهِ وَبِرَحۡمَتِهٖ فَبِذٰلِکَ فَلۡیَفۡرَحُوۡا ؕ هُوَ خَیۡرٌ مِّمَّا یَجۡمَعُوۡنَ o (پ ۱۱، یونس: ۵۸)

فرمادو کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر خوب خوشیاں مناؤ وہ ان کی دھن دولت سے بہتر ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جس تاریخ میں اللہ کی نعمت ملی ہو اس کی یادگار مناؤ، خوشیاں مناؤ۔

﴿۵﴾ وَذَکِّرۡهُمۡ بِاَیّٰمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوۡرٍ o (پ ۱۳، ابراهیم: ۵)

اے موسیٰ بنی اسرائیل کو اللہ کے دن یاد دلا دو جن دنوں میں ان پر نعمتیں اتریں بے شک اس میں نشانیاں ہیں ہر بڑے صبر والے شکر گزار کو۔

﴿۶﴾قَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ اللّٰھُمَّ رَبَّنَاۤ اَنۡزِلۡ عَلَیۡنَا مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ تَکُوۡنُ لَنَا عِیۡدًا لِّاَوَّلِنَا وَ اٰخِرِنَا وَ اٰیَۃً مِّنۡکَ ۚ (پ۷،المآئدۃ:۱۱۴)

عیسیٰ ابن مریم نے عرض کیا کہ یارب ہم پر آسمان سے دستر خوان اتار کہ وہ ہمارے لئے اگلوں پچھلوں کی عید ہو اور یہ تیری طرف سے نشانی ہو۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو انعامات کی تاریخیں یاد دلاتے رہو ان کی یادگاریں قائم کرو اور عیسیٰ علیہ السلام نے غیبی دستر خوان کے آنے کی تاریخ کو اپنے اگلے پچھلے سارے عیسائیوں کے لئے عید قرار دیا۔ لہٰذا میلاد شریف، گیارہویں شریف، بزرگوں کے عرس، فاتحہ، چالیسواں، تیجہ وغیرہ سب جائز ہیں کیونکہ یہ اللہ کی نعمت کی یادگاریں ہیں اور یادگاریں منانا حکم قرآنی ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۷﴾وَاذۡکُرُوۡا نِعۡمَۃَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ (پ۶،المآئدۃ:۷)

اللہ کی نعمت یاد کرو جو تم پر ہے۔

اعتراض: مسلم و بخاری کی روایت میں ہے کہ جمعہ کا روزہ نہ رکھو۔ (صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب صوم یوم الجمعۃ، الحدیث ۱۹۸۴، ج۱، ص۶۵۲، دار الکتب العلمیۃ بیروت) **بعض** روایتوں میں ہے کہ جمعہ کو روزے سے خاص نہ کرو۔ معلوم ہوا کہ کسی دن کی تعیین منع ہے۔ چونکہ میلاد اور عرس میں تاریخ مقرر ہوتی ہے لہٰذا منع ہے۔ (وہابی)

جواب: اس کا جواب اسی حدیث میں آگے ہے کہ اگر جمعہ کسی ایسی تاریخ میں آجائے جس کے روزے کے تم عادی ہو تو رکھو یعنی اگر کسی کی عادت بارہویں کے روزے کی ہے اور جمعہ بارہویں کو آگیا تو رکھ لے، نیز فرماتے ہیں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کہ ’’صرف جمعہ کو روزہ نہ رکھے بلکہ آگے پیچھے ایک دن اور بھی ملائے‘‘ معلوم ہوا کہ مقرر کرنا منع نہیں بلکہ جمعہ کے روزہ کی ممانعت ہے ممانعت کی وجہ کچھ اور ہے۔ کیا وجہ ہے؟ اس کے متعلق علماء کے بہت سے قول ہیں ایک یہ بھی ہے کہ جمعہ مسلمانوں کی عید ہے اور عید کو روزہ منع ہوتا ہے اس مناسبت سے اس کا روزہ منع ہے یعنی یہ مشابہ عید کے ہے دوسرے یہ کہ جمعہ کا دن کام کاج کا ہے غسل کرنا، کپڑے تبدیل کرنا، جمعہ کی تیاری کرنا، خطبہ سننا، نماز جمعہ پڑھنا ممکن ہے کہ روزے کی وجہ سے تکلیف ہو لہٰذا ان کاموں کی وجہ سے روزہ نہ رکھے جیسے حاجی کو نویں تاریخ بقرعید کا روزہ اور حاجی کو بقرعید کی نماز مکروہ ہے اس لئے کہ وہ دن اس کے کام کے ہیں روزے سے اس کے کاموں میں حرج ہوگا۔ تیسرے یہ کہ صرف جمعہ کے روزے میں یہود سے مشابہت ہے کہ وہ صرف ہفتہ کا روزہ رکھتے ہیں تم اگر جمعہ کا روزہ رکھو تو آگے پیچھے ایک دن اور ملا لو تا کہ مشابہت نہ رہے۔ چوتھے یہ کہ خود نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ دوشنبہ کا روزہ کیسا ہے فرمایا کہ اسی دن ہماری ولادت ہے اسی دن نزول وحی کی ابتداء ہوئی۔ لہٰذا روزہ رکھو اور خود نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عاشورہ کا روزہ اسی خوشی میں رکھا کہ اس تاریخ میں موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات ملی اگر یادگاریں منانا برا ہوتا تو یہ یادگاریں کیوں منائی جاتیں؟

اعتراض: چونکہ میلاد شریف اور عرس میں لوگ بہت حرام کام بھی کرتے ہیں لہٰذا یہ منع ہے۔

جواب: قاعدہ غلط ہے کوئی سنت حرام کام کے ملنے سے ناجائز نہیں ہو جاتی نکاح سنت ہے مگر لوگوں نے اس میں ہزاروں خرافات ملا دیں تو نکاح کو نہیں روکا جاتا بلکہ ان چیزوں سے منع کیا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر ۷

بزرگوں کی جگہ کی تعظیم اور وہاں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے

جس جگہ کوئی ولی رہتے ہوں یا رہے ہوں یا کبھی بیٹھے ہوں وہ جگہ حرمت والی ہے، وہاں عبادت اور دعا زیادہ قبول ہوتی ہے اس کی تعظیم کرو، دعا مانگو۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ط وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ o (پ ۱، البقرۃ: ۵۸)

اور یاد کرو جب ہم نے کہا کہ داخل ہو تم اس بستی میں پھر اس میں جہاں چاہو بے روک ٹوک خوب کھاؤ اور دروازے میں سجدہ کرتے داخل ہو اور کہو ہمارے گناہ معاف ہوں ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے اور نیکی والوں کو اور زیادہ دیں گے۔

اس آیت میں بتایا گیا کہ جب بنی اسرائیل کی توبہ قبول ہونے کا وقت آیا تو ان سے کہا گیا کہ بیت المقدس کے دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے گھسو اور گناہ کی معافی مانگو، بیت المقدس نبیوں کی بستی ہے اس کی تعظیم کرائی گئی کہ سجدہ کرتے ہوئے جاؤ اور وہاں جا کر توبہ کرو۔

﴿۲﴾ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ط (پ ٤، اٰل عمرٰن: ۹۷)

جو اس مکہ میں داخل ہو گیا امن والا ہو گیا۔

﴿۳﴾ اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّا جَعَلۡنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّیُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنۡ حَوۡلِهِمۡ ؕ اَفَبِالۡبَاطِلِ یُؤۡمِنُوۡنَ وَبِنِعۡمَةِ اللّٰهِ یَكۡفُرُوۡنَ (پ ۲۱، العنکبوت: ۶۷)

کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ ہم نے حرم شریف کو امن والا بنایا اور ان کے آس پاس کے لوگ اچک لئے جاتے ہیں کیا باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں۔

ان آیتوں سے پتہ چلا کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی بستی جو کعبہ معظّمہ کا شہر ہے بہت حرمت والا اور عظمت والا ہے۔

﴿۴﴾ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِیَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبۡ لِیۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِیۡعُ الدُّعَآءِ ۝ (پ ۳، اٰل عمرٰن: ۳۸)

وہاں مریم کے پاس زکریا نے دعا مانگی عرض کیا کہ اے رب مجھے اپنی طرف سے ستھری اولاد دے بے شک تو دعا کا سننے والا ہے۔

﴿۵﴾ قَالَ الَّذِیۡنَ غَلَبُوۡا عَلٰۤی اَمۡرِهِمۡ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَیۡهِمۡ مَّسۡجِدًا ۝ (پ ۱۵، الکھف: ۲۱)

اور جو اس معاملہ پر غالب آئے وہ بولے کہ ہم اصحاب کہف پر مسجد بنائیں گے۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس کھڑے ہوکر اولاد کی دعا مانگی تا کہ قرب ولی کی وجہ سے دعا جلد قبول ہو اور مسلمانوں نے اصحاب کہف کے غار پر مسجد بنائی تا کہ ان کی برکت سے زیادہ قبول ہوا کرے۔

﴿۶﴾ لَاۤ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِ ۝ وَاَنۡتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الۡبَلَدِ ۝ (پ ۳۰، البلد: ۱۔۲)

میں قسم کھاتا ہوں اس شہر مکہ کی جبکہ اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو۔

﴿۷﴾ وَالتِّیۡنِ وَ الزَّیۡتُوۡنِ ۙ﴿۱﴾ وَ طُوۡرِ سِیۡنِیۡنَ ۙ﴿۲﴾ وَ ہٰذَا الۡبَلَدِ الۡاَمِیۡنِ ۙ﴿۳﴾ قسم ہے انجیر کی، زیتون کی اور طور سینا پہاڑ کی اور اس امانت والے شہر کی۔

(پ ۳۰، التین: ۱۔۳)

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ جس جگہ اللہ کے بندے ہوں وہ جگہ ایسی حرمت والی ہو جاتی ہے کہ اس کی رب قسم فرماتا ہے۔

ان آیات سے یہ بھی پتہ لگا کہ بزرگوں کے چلّے جہاں انہوں نے عبادت کی وہاں جا کر نماز پڑھنا، دعا کرنا، اس جگہ کی تعظیم کرنا باعث ثواب ہے اسی لئے مدینہ منورہ میں ایک عبادت کا ثواب پچاس ہزار ہے اور مکہ مکرمہ میں ایک کا ثواب ایک لاکھ۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہ جگہ اللہ کے پیاروں کی ہے، ریل اگرچہ مساوی لائن سے گزرتی ہے مگر ملتی صرف اسٹیشن پر ہے، اللہ کے بندوں کی جگہ رحمت خدا کے اسٹیشن ہیں۔

مسئلہ نمبر ۸

سچے مذہب کی پہچان

اسلام میں آج بہت سے فرقے ہیں اور ہر فرقہ اپنے کو حق کہتا ہے اور ہر ایک قرآن سے اپنا مذہب ثابت کرتا ہے۔ قرآن سے پوچھو کہ سچا مذہب کون ہے وہ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ ﴿۱۱۹﴾ اے مسلمانو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔

(پ ۱۱، التوبۃ: ۱۱۹)

﴿۲﴾ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۙ (پ۱، الفاتحۃ: ۵-٦)

ہم کو سیدھے رستے کی ہدایت دے اوران کا رستہ جن پر تو نے انعام کیا۔

﴿۳﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰٮهُمُ اقۡتَدِهۡ ؕ (پ۷، الانعام: ۹۰)

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی تو تم ان ہی کی راہ پر چلو۔

﴿۴﴾ قَالُوۡا نَعۡبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ (پ۱، البقرۃ: ۱۳۳)

اولاد یعقوب نے کہا کہ ہم آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادوں ابراہیم اسمٰعیل اسحاق کے معبودوں کو پوجیں گے۔

﴿۵﴾ لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِىۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ (پ۲۱، الاحزاب: ۲۱)

تمہارے لئے اللہ کے رسول میں اچھی پیروی ہے۔

﴿٦﴾ قُلۡ بَلۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهٖمَ حَنِيۡفًا ؕ (پ۱، البقرۃ: ۱۳۵)

فرمادو بلکہ ہم پیروی کریں گے ابراہیم کے دین کی جو ہر برائی سے دور ہے۔

﴿۷﴾ وَمَنۡ يُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الۡهُدٰى وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيۡلِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا (پ۵، النسآء: ۱۱۵)

اور جو رسول کی مخالفت کرے اس کے بعد کہ حق اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے وہ کیا ہی برا ٹھکانہ ہے۔

﴿۸﴾ وَ کَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًاؕ (پ ۲، البقرۃ: ۱۴۳)

اور ایسے ہی ہم نے تم کو درمیانی امت بنایا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تم پر نگہبان گواہ ہیں۔

ان مذکورہ آیتوں سے معلوم ہوا کہ سچے مذہب کی پہچانیں دو ہیں ایک تو یہ کہ اس مذہب میں سچے لوگ یعنی اولیاء اللہ، صالحین، علماء ربانی ہوں، دوسرے یہ کہ وہ عام مومنین کا مذہب ہو، چھوٹے چھوٹے فرقے جن میں اولیاء صالحین نہیں وہ غلط راستے ہیں اس آیت کی تفسیر وہ حدیث ہے **اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ** (المستدرک للحاکم، کتاب العلم، باب من شذ شذ فی النار، الحدیث ٤٠٤، ج١، ص٣١٧، دار المعرفۃ بیروت) بڑے گروہ کی پیروی کرو یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے اب تک جس مذہب پر عام مسلمان رہے ہوں وہ قبول کرو۔ یہ دونوں علامتیں آج صرف مذہب اہل سنت میں پائی جاتی ہیں۔ شیعہ، وہابی، دیوبندی، چکڑالوی میں نہ اولیاء اللہ تھے نہ ہیں۔ تمام چشتی، قادری، سہروردی، نقشبندی اسی سنی مذہب میں گزرے ہیں اور اسی مذہب میں آج ہیں نیز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم، ان سے حاجتیں مانگنا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو علم غیب ماننا وغیرہ تمام چیزیں عام مسلمان کا مذہب رہا اور ہے۔ اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب جاء الحق کا مطالعہ کرو۔

لطیفہ: ہر قوم کی تاریخ اس کے نام سے معلوم کرو، قوموں کے موجودہ نام تاریخی نام ہیں ہم اس پر کچھ روشنی ڈالتے ہیں۔

مرزائی: اس فرقہ کی پیدائش مرزا غلام احمد قادیانی کے وقت سے ہے یعنی

بارہویں صدی کی پیداوار ہے اس جماعت کی عمر سو برس ہے۔

چکڑالوی: اس فرقہ کی پیدائش عبداللہ چکڑالوی پنجابی کے وقت سے ہوئی یعنی اس کی عمر ایک سو پندرہ سال ہے۔

اثناعشری شیعہ: اس فرقہ کی پیدائش بارہ اماموں کے وقت سے ہوئی کیونکہ اثناعشر کے معنی ہیں بارہ امام، جب بارہ امام پیدا ہوئے تو یہ فرقہ ظہور میں آیا اس لئے اس کی عمر تقریبا گیارہ سو برس ہے یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے تین سو سال بعد میں ہوا، خیال رہے کہ ان شیعہ کے عقیدہ میں امام مہدی پیدا ہو چکے ہیں جو قرآن لے کر چھپ گئے ہیں قریب قیامت آئیں گے۔

وہابی: خواہ دیوبندی ہوں یا غیر مقلد اس فرقے کی پیداوار عبدالوہاب نجدی کے وقت میں ہوئی لہذا اس کی عمر ایک سو پچھتر سال ہے یعنی گیارہویں صدی میں پیدا ہوا۔

بابی، بہائی: ان دونوں فرقوں کی پیداوار بہاء اللہ اور عبداللہ باب کے زمانہ میں ہوئی ان کی عمر سو برس سے بھی کم ہے۔

اہل سنت والجماعت: جب سے سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں آئی تب سے یہ مذہب آیا یعنی جو عمر سنت رسول اللہ کی ہے وہی اس مذہب کی ہے اور چونکہ مسلمانوں کی عام جماعت کا یہی مذہب ہے لہذا اس فرقے کا نام ہوا اہل سنت وجماعت یعنی سنت رسول اور جماعت مسلمین والا فرقہ۔

قرآن پاک کی مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ یہ ہی فرقہ حق ہے اگرچہ قرآن

پاک کا ترجمہ سب کرتے ہیں حدیثیں سب دبائے پھرتے ہیں اور علماء سارے فرقوں میں ہیں مگر صادقین یعنی اولیاء کاملین، حضور غوث پاک، خواجہ اجمیر، خواجہ بہاؤالدین نقشبند، شیخ شہاب الدین سہروردی گزشتہ اولیاء اللہ اور موجودہ اولیاء کرام، تونسہ شریف، سیال شریف، گولڑہ شریف، علی پور شریف، بٹالہ شریف وغیرہ تمام آستانے والے اسی مذہب پر ہیں۔ لہذا ان آیات نے صاف طور پر بتایا کہ یہ ہی مذہب حق ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی پر ہم سب کو رکھے اور اسی پر خاتمہ کرے۔ آمین

مسئلہ نمبر ۹

دم درود کرنا، پڑھ کر پھونکنا

بعض لوگ صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے تعویذ، دم، جھاڑ پھونک کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کھانے کمانے کے ڈھنگ ہیں قرآن میں اس کا ثبوت نہیں بلکہ جو ہوا پیٹ میں سے نکلتی ہے وہ گرم اور بیماری والی ہوتی ہے وہ پھونک بیمار کرے گی شفا نہ دے گی مگر یہ خیال قرآن کے خلاف ہے۔

قرآن کریم نے دم کرنے اور پھونکنے کی تاثیر کا اعلان فرمایا ہے آیات ملاحظہ ہوں پھونکنے میں تاثیر ہے۔

﴿ ۱ ﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ٥ (پ ۱٤، الحجر: ۲۹)	رب تعالیٰ نے فرمایا تو جب میں آدم کے جسم کو ٹھیک کرلوں اور ان میں اپنی طرف سے روح پھونک دوں تو ان کیلئے سجدے میں گر جانا

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے روح پھونک کر آدم علیہ السلام کو زندگی

بخشی رب تعالیٰ کا پھونکنا وہ ہے جو اس کی شان کے لائق ہو مگر لفظ پھونکنے کا استعمال فرمایا گیا بلکہ جان کو روح اسی واسطے کہتے ہیں کہ وہ پھونکی ہوئی ہوا ہے۔ روح کے معنی ہوا، پھونک ہیں۔

﴿۲﴾ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِیْنَ۠ (پ۲۸، التحریم:۱۲)

اللہ بیان فرماتا ہے اور عمران کی بیٹی مریم کا جس نے اپنی پارسائی کی حفاظت کی تو ہم نے اپنی طرف سے اس میں روح پھونک دی اور اس نے اپنے رب کی باتوں اور کتابوں کی تصدیق کی اور فرماں برداروں میں ہوئی۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے گریبان میں دم کیا جس سے آپ حاملہ ہوئیں اور عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اسی لئے آپ کا لقب روح اللہ بھی ہے اور کلمۃ اللہ بھی، یعنی اللہ کا دم یا اللہ کا کلمہ۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے کچھ پڑھ کر حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر دم کیا جس سے یہ فیض دیا۔ اب بھی شفا وغیرہ کے لئے پڑھ کر دم ہی کرتے ہیں۔

﴿۳﴾ اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـٴَـةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ (پ۳، ال عمرٰن:۴۹)

فرمایا عیسیٰ نے کہ میں بناتا ہوں تمہارے لئے پرندے کی صورت پھر اس میں دم کرتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور کوڑھی اندھے کو اچھا کرتا ہوں اور مردے جلاتا ہوں اللہ کے حکم سے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام دم کر کے مردے زندہ کرتے تھے، کوڑھی اور اندھوں کو اچھا کرتے تھے، یہاں بھی دم سے ہی یہ فیض دیئے گئے۔

﴿۴﴾ وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ (پ۲۳، الزمر:۶۸)

اور پھونکا جائے گا صور میں تو بیہوش ہوجائیں گے وہ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔

﴿۵﴾ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًاo (پ۳۰، النبا:۱۸)

جس دن پھونکا جاوے گا صور میں پس آؤ گے تم فوج درفوج۔

معلوم ہوا قیامت کے دن صور میں پھونکا جاوے گا جس سے مردے زندہ ہوں گے غرضیکہ ابتداء، انتہاء اور بقا ہمیشہ فیض دم سے ہوا اور ہوتا ہے اور ہوگا اسی لئے آج بھی صوفیاء قرآن کریم پڑھ کر دم کرتے ہیں خود نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بیماروں پر قرآن شریف پڑھ کر دم فرماتے تھے کیونکہ جیسے پھولوں سے چھوکر ہوا میں خوشبو پیدا ہوجاتی ہے ایسے ہی جس زبان سے قرآن شریف پڑھا گیا ہو اس سے چھوکر جو ہوا آوے گی وہ شفا دے گی، اسی طرح تبرکات سے شفا ملتی ہے جیسا کہ اسی باب کے شروع میں آیات سے ثابت کیا گیا ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۰

سارے صحابہ برحق ہیں

قرآن کریم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حقانیت وصداقت کا اعلان فرما رہا ہے، فرماتا ہے:

﴿۱﴾ الٓمّٓ ۚ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ ۚۛ فِیْهِ ۚۛ (پ ۱، البقرۃ: ۱۔۲)
وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) شک کی جگہ نہیں اس میں۔

اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ قرآن میں کوئی شک وتردد نہیں۔ شک کی چار صورتیں ہوسکتی ہیں یا تو بھیجنے والا غلطی کرے یا لانے والا غلطی کرے یا جس کے پاس آیا ہو وہ غلطی کرے یا جنہوں نے اس سے سن کر لوگوں کو پہنچایا انہوں نے دیانت سے کام نہ لیا ہو۔ اگر ان چاروں درجوں میں کلام محفوظ ہے تو واقعی شک وشبہ کے لائق نہیں۔ قرآن شریف کا بھیجنے والا اللہ تعالیٰ، لانے والے حضرت جبریل علیہ السلام، لینے والے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور حضور سے لے کر ہم تک پہنچانے والے صحابہ کرام ہیں (رضی اللہ عنہم اجمعین) اگر قرآن شریف اللہ تعالیٰ، جبریل علیہ السلام، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک تو محفوظ رہے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سچے نہ ہوں اور ان کے ذریعہ قرآن ہم کو پہنچے تو یقیناً قرآن میں شک پیدا ہوگیا کیونکہ فاسق کی کوئی بات قابل اعتبار نہیں ہوتی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا (پ ۲٦، الحجرات: ٦)
اگر تمہارے پاس فاسق کوئی خبر لاوے تو تحقیق کرلیا کرو۔

اب قرآن کا بھی اعتبار نہ رہے گا قرآن پر یقین جب ہی ہوسکتا ہے کہ صحابہ کرام کے تقویٰ ودیانت پر یقین ہو۔

﴿۲﴾ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ۙ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ (پ ۱، البقرۃ: ۲۔۳)
قرآن ہدایت ہے ان متقیوں کو جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔

یعنی اے کافرو! جن پرہیزگاروں یعنی جماعت صحابہ کو تم دیکھ رہے ہو انہیں

قرآن نے ہی ہدایت دی اور یہ لوگ قرآن ہی کی ہدایت سے ایسے اعلیٰ متقی بنے ہیں۔ قرآن کریم نے ہی ان کی کایا پلٹ دی اگر قرآن کا کمال دیکھنا ہو تو ان صحابہ کرام کا تقویٰ دیکھو۔ اس آیت میں قرآن نے صحابہ کرام کے ایمان وتقویٰ کو اپنی حقانیت کی دلیل بنایا اگر وہاں ایمان وتقویٰ نہ ہو تو قرآن کا دعویٰ بلا دلیل رہ گیا۔

﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَّهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ (پ۱۰، الانفال: ۷۴)

اور وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ جنہوں نے رسول کو جگہ دی اور ان کی مدد کی وہ سچے مسلمان ہیں ان کے لئے بخشش ہے اور عزت کی روزی۔

اس آیت میں صحابہ کرام، مہاجرین اور انصار کا نام لے کر انہیں سچا مومن، متقی اور مغفور فرمایا گیا۔

﴿۴﴾ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ (پ۲۸، الحشر: ۸)

ان فقیر ہجرت والوں کے لئے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں اور اللہ ورسول کی مدد کرتے ہیں وہ ہی سچے ہیں۔

اس آیت میں تمام مہاجر صحابہ کو نام و پتہ بتا کر سچا کہا گیا ہے یعنی یہ ایمان میں سچے اور اقوال کے پکے ہیں۔

﴿۵﴾ وَالَّذِیۡنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالۡاِیۡمَانَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ یُحِبُّوۡنَ مَنۡ هَاجَرَ اِلَیۡهِمۡ وَلَا یَجِدُوۡنَ فِیۡ صُدُوۡرِهِمۡ حَاجَةً مِّمَّاۤ اُوۡتُوۡا وَیُؤۡثِرُوۡنَ عَلٰۤی اَنۡفُسِهِمۡ وَلَوۡ کَانَ بِهِمۡ خَصَاصَةٌ ؕقف وَمَنۡ یُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِهٖ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝ (پ۲۸،الحشر:۹)

اور وہ جنہوں نے پہلے سے اس شہر اور ایمان میں گھر بنالیا دوست رکھتے ہیں انہیں جو ان کی طرف ہجرت کر کے آئے اور اپنے دلوں میں کوئی حاجت نہیں پاتے اس چیز کی جو دیئے گئے اور اپنی جان پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگر چہ انہیں بہت محتاجی ہو اور جو اپنے نفس کے بخل سے بچایا گیا وہ ہی کامیاب ہے۔

اس آیت میں انصار مدینہ کو نام لے کر پتہ بتا کر کامیاب فرمایا گیا۔ معلوم ہوا کہ سارے مہاجرین وانصار سچے اور کامیاب ہیں۔

﴿۶﴾ لَا یَسۡتَوِیۡ مِنۡکُمۡ مَّنۡ اَنۡفَقَ مِنۡ قَبۡلِ الۡفَتۡحِ وَقَاتَلَ ؕ اُولٰٓئِکَ اَعۡظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیۡنَ اَنۡفَقُوۡا مِنۡۢ بَعۡدُ وَقَاتَلُوۡا ؕ وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الۡحُسۡنٰی ؕ (پ۲۷،الحدید:۱۰)

تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ اور جہاد کیا وہ مرتبہ میں ان سے بڑے ہیں جنہوں نے بعد فتح خرچ اور جہاد کیا اور ان سب سے اللہ جنت کا وعدہ فرما چکا ہے۔

اس آیت نے بتایا کہ سارے صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے رب تعالٰی نے جنت کا وعدہ فرمالیا ہے لیکن وہ خلفاء راشدین جو فتح مکہ سے پہلے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے جاں نثار رہے وہ بہت درجے والے ہیں ان کے درجہ تک کسی کے وہم وگمان کی رسائی نہیں کیونکہ رب تعالٰی نے ساری دنیا کو قلیل یعنی تھوڑا فرمایا اور اتنے بڑے عرش کو عظیم یعنی بڑا فرمایا لیکن ان خلفائے راشدین کے درجہ کو چھوٹا نہ کہا، بڑا نہ فرمایا بلکہ

اعظم یعنی بہت ہی بڑا فرمایا۔

﴿۷﴾ وَسَیُجَنَّبُهَا الۡاَتۡقَی o الَّذِیۡ یُؤۡتِیۡ مَالَهٗ یَتَزَکّٰی o وَمَا لِاَحَدٍ عِنۡدَهٗ مِنۡ نِّعۡمَةٍ تُجۡزٰٓی o اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ رَبِّهِ الۡاَعۡلٰی o وَلَسَوۡفَ یَرۡضٰی o (پ ۳۰،اللیل:۱۷۔۲۱)

اور دوزخ سے بہت دور رکھا جائے گا وہ سب سے بڑا پرہیز گار جو اپنا مال دیتا ہے تا کہ ستھرا ہو اور کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جاوے صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے اور بے شک قریب ہے کہ وہ راضی ہوگا۔

یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی جب آپ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھاری قیمت دے کر خریدا اور آزاد کیا، کفار نے حیرت سے کہا کہ شاید حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آپ پر کوئی احسان ہوگا جس کا بدلہ ادا کرنے کے لئے آپ نے اتنی بڑی قیمت سے خرید کر آزاد کیا۔ ان کفار کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی اس میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حسب ذیل خصوصی صفات بیان ہوئے:

ان کا دوزخ سے بہت دور رہنا، ان کا سب سے بڑا متقی ہونا یعنی اتقی، ان کا بے مثل سخی ہونا، ان کے اعمال طیبہ طاہرہ کا ریا سے پاک ہونا خالص رب عزوجل کے لیے ہونا اور جنت میں انہیں رب تعالیٰ کی طرف سے ایسی نعمتیں ملنا جس سے وہ راضی ہوجاویں۔

لطیفہ: اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے فرمایا وَلَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی o (الضحی:۵) آپ کو آپ کا رب اتنا دے گا کہ آپ راضی ہوجاویں گے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے فرمایا وَلَسَوۡفَ یَرۡضٰی o (اللیل:۲۱) عنقریب صدیق راضی ہوجاویں گے۔ معلوم ہوا کہ آپ کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے

بہت ہی قرب ہے۔

﴿۹﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ

اے نبی آپ کو اللہ اور آپ کی پیروی کرنے والے یہ مومن کافی ہیں۔

(پ۱۰،الانفال:٦٤)

یہ آیت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان لانے پر نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ حقیقتاً آپ کو اللہ کافی ہے اور عالم اسباب میں عمر کافی ہیں۔

﴿۱۰﴾ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ

جو صحابہ ان نبی کے ساتھی ہیں وہ کافروں پر سخت، آپس میں نرم ہیں۔

(پ۲٦،الفتح:۲۹)

﴿۱۱﴾ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ ۚۛ وَ مَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۚ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ...اِلٰی اَنْ قَالَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ (پ۲٦،الفتح:۲۹)

یہ جماعت صحابہ وہ ہیں جن کی مثال توریت وانجیل میں اس کھیت سے دی گئی ہے جس نے اپنا پٹھا نکالا... (یہاں تک کہ فرمایا) تا کہ ان سے کافروں کے دل جلیں۔

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمہارے صحابہ کے نام کے ڈنکے ہم نے توریت وانجیل میں بجادیئے وہ تو میری ہری بھری کھیتی ہیں جنہیں دیکھ کر میں تو خوش ہوتا ہوں اور میرے دشمن رافضی جلتے ہیں۔

لطیفہ: قرآن کریم نے بعض لوگوں پر صاف صاف فتویٰ کفر دیا ایک تو نبی کی توہین کرنے والے، اور دوسرے صحابہ کرام کے دشمن، صحابہ کرام کے دشمنوں پر رب تعالیٰ نے کفر کا فتویٰ دیا کسی اور سے نہ دلوایا۔

﴿۱۲﴾ ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ (پ۱۰،التوبۃ:۴۰)

ابوبکر دو میں کے دوسرے ہیں جبکہ وہ غار میں ہیں جب فرماتے تھے رسول اپنے ساتھی سے غم نہ کر۔

یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں اتری، اس میں اس واقعہ کا ذکر ہے کہ جب غار میں یار کو لے کر بیٹھے اور مار سے اپنے کو کٹوایا۔ اس آیت نے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت کا صراحۃً اعلان فرمایا، ان کی صحابیت ایسی ہی قطعی اور یقینی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کیونکہ جس قرآن نے توحید ورسالت کا صراحۃً اعلان کیا، اسی قرآن نے صدیق کی صحابیت کا ڈنکا بجایا لہٰذا ان کی صحابیت وعدالت پر ایمان لانا ایسا ہی ضروری ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانا اور ان کی صحابیت کا منکر ایسا ہی بے دین ہے جیسے توحید ونبوت کا منکر۔

﴿۱۳﴾ لَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ٥ (پ۴،اٰل عمران:۱۳۹)

نہ سست پڑو تم لوگ نہ غمگین ہو اور تم ہی بلند ہو اگر تم سچے مومن ہو۔

﴿۱۴﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ص وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ط (پ۱۸،النور:۵۵)

اللہ نے وعدہ دیا ان کو جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کئے ضرور انہیں زمین میں خلافت دے گا جیسی ان سے پہلوں کو دی اور ضرور جمادے گا ان کے لئے ان کا وہ دین جو ان کیلئے پسند کیا اور ضرور ان کے اگلے خوف کو امن سے بدل دے گا۔

ان دو آیتوں میں مسلمانوں سے دو شرطوں پر چند وعدے کئے گئے ہیں شرطیں ایمان اور تقویٰ کی ہیں ان سے وعدہ ہے۔﴿۱﴾بلندی﴿۲﴾خلافت دنیا﴿۳﴾خوف کے بعد امن بخشنا﴿۴﴾دین کو مضبوط کرنا۔اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو بلندی بھی دی زمین میں خلافت بھی بخشی، امن بھی عطا کیا اور ان کے زمانہ میں دین کو ایسا مضبوط فرمایا کہ آج اس مضبوطی کی وجہ سے اسلام قائم ہے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے دونوں شرطیں بھی پوری کیں اور مومن بھی رہے اور پرہیزگار متقی بھی، ورنہ انہیں یہ چار نعمتیں نہ دی جاتیں۔

یہ چند آیات بطور نمونہ پیش کی گئیں ورنہ قرآن کریم کی بہت سی آیات ان حضرات کے فضائل میں ہیں اور کیوں نہ ہوں یہ حضرات نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کمال کا مظہر ہیں جیسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات رب تعالیٰ کے کمال کا نمونہ ہے جیسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تنقیص رب تعالیٰ کے کمال کا انکار ہے ایسے ہی ان کا انکار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کمال کا انکار ہے استاد کا زور علمی شاگردوں کی لیاقت سے معلوم ہوتا ہے۔اگر صف اول کی نماز فاسد ہو تو پچھلی صفوں کی نماز درست نہیں ہوسکتی کیونکہ امام کو دیکھنے والی صف اول ہی ہے، اگر انجن کے پیچھے والا ڈبہ انجن سے کٹ کر رہ جائے تو پچھلے ڈبے کبھی سفر نہیں کر سکتے، وہ حضرات اسلام کی صف اول ہیں اور ہم آخری صفیں وہ گاڑی کا اگلا ڈبہ ہم پچھلے۔اگر وہ ایمان سے رہ گئے تو ہم کیسے مومن ہو سکتے ہیں؟

اعتراض: ان آیتوں کے نزول کے وقت تو یہ سب مومن تھے مگر حضور صلی اللہ

تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی وفات کے بعد خلافت کا حق چھین کر اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی میراث تقسیم نہ کرنے کی وجہ سے اسلام سے نکل گئے یہ آیات اسوقت کی ہیں بعد سے انہیں کوئی تعلق نہیں۔

جواب: اس اعتراض کے چند جواب ہیں

ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اگر خلفاء راشدین کا انجام اچھا نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کے فضائل قرآن شریف میں بیان نہ فرماتا نیز رب تعالیٰ نے ان مذکورہ آیتوں میں خبر دی کہ یہ دوزخ سے بہت دور رہیں گے، ہم انہیں اتنا دیں گے کہ وہ راضی ہوجاویں گے ہم نے ان سب سے جنت کا وعدہ کرلیا۔ یہ باتیں انجام بخیر سے ہی حاصل ہوسکتی ہیں۔

دوسرے یہ کہ اگر یہ حضرات ایمان سے پھر گئے ہوتے تو اہلبیت اطہار خصوصاً حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کے ہاتھ پر بیعت نہ کرتے خلیفۂ رسول وہ ہوسکتا ہے جو مومن متقی ہو بلکہ جیسے حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صفین میں جنگ کی اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کربلا میں جان دے دی مگر یزید کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دیا، اس وقت بھی وہ جنگ کرتے۔

تیسرے یہ کہ جیسے صدیق اکبر وفاروق اعظم وعثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد ان کی خلافتیں میراث کے طور پر ان کی اولاد کو نہ ملیں بلکہ جس پر سب کا اتفاق ہوگیا وہ خلیفہ ہوگیا اسی طرح نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خلافت میں نہ میراث تھی نہ کسی کی ملکیت بلکہ رائے عامہ پر ہی انتخاب ہوا۔

چوتھے یہ کہ پیغمبر کی میراث مال نہیں بلکہ علم ہے۔رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَوَرِثَ سُلَیۡمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ عُلِّمۡنَا مَنۡطِقَ الطَّیۡرِ

اور وارث ہوئے سلیمان داؤد کے اور فرمایا کہ ہم کو پرندوں کی بولی کا علم دیا گیا۔ (پ۱۹،النمل:۱۶)

دیکھو داؤد علیہ السلام کے بہت بیٹے تھے مگر وارث صرف حضرت سلیمان علیہ السلام ہوئے اور مال کے نہیں بلکہ علم کے وارث ہوئے اسی لئے نبی کی بیویاں بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی میراث نہ پاسکیں اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنے زمانہ خلافت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی میراث تقسیم نہ فرمائی۔

اعتراض: تم کہتے ہو کہ سارے صحابہ متقی پرہیزگار ہیں حالانکہ قرآن شریف انہیں فاسق کہہ رہا ہے۔فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ جَآءَ کُمۡ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوۡۤا

اے مومنو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کسی قسم کی خبر لائے تو تحقیق کرلیا کرو۔ (پ۲۶،الحجرات:۶)

ولید بن عقبہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آکر خبر دی تھی کہ فلاں قوم نے زکوۃ نہ دی۔اس پر یہ آیت اتری جس میں ولید صحابی کو فاسق کہا گیا اور فاسق متقی نہیں ہوسکتا۔

جواب: اس کے دو جواب ہیں، **ایک** یہ کہ یہاں ان کو فاسق نہ کہا گیا بلکہ ایک قانون بیان کیا گیا کہ آئندہ اگر کوئی فاسق خبر لائے تو تحقیقات کرلیا کرو۔**دوسرے** یہ کہ اس خاص وقت میں ان کو فاسق گنہگار کہا گیا صحابی سے گناہ سرزد ہوسکتا ہے وہ

معصوم نہیں ہاں اس پر قائم نہیں رہتے توبہ کی توفیق مل جاتی ہے جیسے حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زنا ہو گیا مگر بعد میں ایسی توبہ نصیب ہوئی کہ سبحان اللہ!

مسئلہ نمبر ۱۱

عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ ہوئے

سارے مسلمانوں کا عقیدہ تھا اور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے بغیر باپ کے پیدا فرمایا اور اپنی قدرت کا نمونہ دکھایا مگر اب موجودہ زمانہ میں قادیانیوں نے اس کا انکار کیا، ان کی دیکھا دیکھی بعض بھولے جاہل مسلمان بھی اس ظاہری مسئلہ کے منکر ہو گئے اور کہنے لگے کہ قرآن سے یہ ثابت نہیں حالانکہ قرآن شریف اس کا بہت زور شور سے اعلان فرما رہا ہے، رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿۱﴾ اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَہٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ﴿۵۹﴾ اَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ فَلَا تَکُنۡ مِّنَ الۡمُمۡتَرِیۡنَ ﴿۶۰﴾ (پ۳، اٰل عمرٰن: ۵۹۔ ۶۰)

بے شک عیسیٰ کی کہاوت اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے کہ اسے مٹی سے بنایا پھر اس سے فرمایا کہ ہو جاوہ فوراً ہو جاتا ہے یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے تو تم شک والوں میں سے نہ ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو آدم علیہ السلام کی پیدائش سے تشبیہ دی کہ جیسے آدم علیہ السلام بغیر نطفے کے پیدا ہوئے ایسے ہی آپ بھی۔ جب آدم علیہ السلام خدا کے بیٹے نہ ہوئے تو اے عیسائیو! عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے کب ہو سکتے ہیں؟ اگر عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش عام انسانوں کی طرح ہوتی تو انہیں آدم علیہ السلام سے تشبیہ نہ دی جاتی۔

﴿۲﴾ قَالَتْ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ (پ۱۶، مریم:۲۰)
قَالَ کَذٰلِکِ ج قَالَ رَبُّکِ ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ ج وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ج (پ۱۶، مریم:۲۱)

مریم نے جبریل سے کہا کہ میرے بیٹا کیسے ہوسکتا ہے مجھے تو کسی مرد نے چھوا بھی نہیں فرمایا ایسے ہی ہوگا تمہارے رب نے فرمایا کہ یہ کام مجھ پر آسان ہے اور تا کہ بنائیں ہم اس بچہ کو لوگوں کے لئے نشان اور اپنی طرف سے رحمت۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیٹا ملنے کی خبر پر حیرت کی کہ بغیر مرد کے بیٹا کیسے پیدا ہوگا اور انہیں رب کی طرف سے جواب ملا کہ اس بچہ سے رب تعالیٰ کی قدرت کا اظہار مقصود ہے لہذا ایسے ہی بغیر باپ کے ہوگا، اگر آپ کی پیدائش معمول کے مطابق تھی تو تعجب کے کیا معنی اور رب تعالیٰ کی نشانی کیسی؟

﴿۳﴾ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَھَا تَحْمِلُهٗ ط قَالُوْا یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْئًا فَرِیًّا ۝ (پ۱۶، مریم:۲۷)

تو انہیں گود میں اپنی قوم کے پاس لائیں بولے اے مریم تو نے بہت بری بات کی۔

معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش پر لوگوں نے حضرت مریم کو بہتان لگایا اگر آپ خاوند والی ہوتیں تو اس بہتان کی کیا وجہ ہوتی۔

﴿۴﴾ فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ قَالُوْا کَیْفَ نُکَلِّمُ مَنْ کَانَ فِی الْمَھْدِ صَبِیًّا ۝ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ قف (پ۱۶، مریم:۲۹-۳۰)

پھر مریم نے بچہ کی طرف اشارہ کر دیا وہ بولے ہم کیسے بات کریں اس سے جو پالنے میں بچہ ہے بچہ نے فرمایا میں اللہ کا بندہ ہوں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں ہی گویائی دی اور آپ علیہ السلام نے خود اپنی ماں کی پاکدامنی اور رب تعالیٰ کی قدرت بیان فرمائی اگر آپ کی پیدائش باپ سے ہے تو اس معجزے اور گواہی کی ضرورت نہ تھی۔

﴿۵﴾ اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَکَلِمَتُہٗ ج اَلْقٰہَآ اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْہُ

عیسیٰ مریم کا بیٹا اللہ کا رسول ہی ہے اور اس کا ایک کلمہ کہ مریم کی طرف بھیجا اور رب کی طرف سے ایک روح

(پ ٦، النسآء: ١٧١)

اس آیت میں عیسیٰ علیہ السلام کو مریم کا بیٹا فرمایا حالانکہ اولاد کی نسبت باپ کی طرف ہوتی ہے نہ کہ ماں کی طرف آپ کا اگر والد ہوتا تو آپ کی نسبت اسی کی طرف ہونی چاہیے تھی نیز قرآن کریم نے کسی عورت کا نام نہ لیا اور نہ کسی کی پیدائش کا واقعہ اس قدر تفصیل سے بیان فرمایا چونکہ آپ کی پیدائش عجیب طرح صرف ماں سے ہے لہذا ان بی بی کا نام بھی لیا اور واقعہ پیدائش پورے ایک رکوع میں بیان فرمایا، نیز انہیں کلمۃ اللہ اور اللہ کی روح فرمایا، معلوم ہوا کہ آپ کی پیدائش ایک کلمہ سے ہے اور آپ کی روح مافوق الاسباب آئی ہے۔

﴿۶﴾ وَیُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَھْدِ وَکَھْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝

عیسیٰ کلام کریں گے لوگوں سے پالنے سے اور پکی عمر میں اور خاص نیکوں میں ہوں گے۔

(پ ٣، اٰل عمرٰن: ٤٦)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت بچپن اور بڑھاپے میں کلام کرنا ہے بچپن میں کلام کرنا تو اس لئے معجزہ ہے کہ بچے اتنی عمر میں بولا نہیں کرتے

اور بڑھاپے میں کلام کرنا اس لئے معجزہ ہے کہ آپ بڑھاپے سے پہلے آسمان پر گئے اور وہاں سے آ کر بوڑھے ہو کر کلام کریں گے۔

ان آیات مذکورہ بالا سے روز روشن کی طرح آپکا بغیر باپ کے پیدا ہونا ظاہر ہوا۔

اعتراض: اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ انسان بلکہ سارے حیوانات کو نطفے سے پیدا فرمادے اور قانون کی مخالفت ناممکن ہے لہذا عیسیٰ علیہ السلام کا خلاف قانون پیدا ہونا غیر ممکن ہے۔ رب تعالیٰ صاف فرمارہا ہے:

﴿۱﴾ اِنَّاخَلَقۡنَاالۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَةٍ اَمۡشَاجٍ ۖ نَّبۡتَلِيۡهِ فَجَعَلۡنٰهُ سَمِيۡعًا ۢ بَصِيۡرًا ۝ (پ۲۹،الدھر:۲)

بے شک ہم نے پیدا کیا انسان کو ماں باپ کے مخلوط نطفے سے کہ ہم اسے آزمائیں پس ہم نے اسے سننے دیکھنے والا بنا دیا۔

﴿۲﴾ وَهُوَ الَّذِىۡ خَلَقَ مِنَ الۡمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهۡرًا ؕ (پ۱۹،الفرقان:۵۴)

اور وہی ہے جس نے پانی سے بنایا آدمی پھر اس کے رشتے اور سسرال مقرر کردی۔

﴿۳﴾ وَجَعَلۡنَـامِنَ الۡمَآءِ كُلَّ شَىۡءٍ حَىٍّ ؕ اَفَلَا يُؤۡمِنُوۡنَ ۝ (پ۱۷،الانبیآء:۳۰)

اور ہم نے ہر جاندار چیز پانی سے بنائی تو کیا وہ ایمان نہ لائیں گے۔

﴿۴﴾ فَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبۡدِيۡلًا ۚ (پ۲۲،فاطر:۴۳)

اور تم ہرگز اللہ کے قانون کو بدلتا ہوا نہ پاؤ گے۔

﴿۵﴾ وَلَاتَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحۡوِيۡلًا ۝ (پ۱۵،بنیٓ اسرآءیل:۷۷)

اور تم ہمارا قانون بدلتا ہوا نہ پاؤ گے۔

ان آیتوں سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ تمام انسان اور حیوانات کی پیدائش کا قانون یہ ہے کہ اس کی پیدائش نطفے سے ہو۔ دوسرے یہ کہ خدا کے قانون میں تبدیلی ناممکن ہے اگر عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بغیر باپ مانی جائے تو ان آیات کے خلاف ہوگا۔

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی، دوسرا تحقیقی۔

الزامی جواب تو یہ ہے کہ آدم علیہ السلام بغیر نطفے کے پیدا ہوئے ہمارے سروں میں جوئیں، چارپائی میں کھٹمل، پیٹ اور زخم میں کیڑے بغیر نطفے کے دن رات پیدا ہوتے ہیں، برسات میں کیڑے، پھل میں جانور بغیر نطفے کے پیدا ہوتے ہیں بتاؤ یہ قانون کے خلاف کیوں ہوا۔

تحقیقی جواب یہ ہے کہ معجزات اور کرامات اولیاء خود قانون الٰہی ہیں یعنی رب تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ نبی اور ولی پر حیرت انگیز باتیں ظاہر ہوں تو آپ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا اس معجزے کے قانون کے ماتحت ہے تمہاری پیش کردہ آیات کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق خدا کے قانون میں تبدیلی نہیں کرسکتی اگر خالق خود کرے تو وہ قادر ہے۔ انسان کی پیدائش نطفے سے ہونا قانون ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر نطفے کے ہونا قدرت ہے ہم قانون کو بھی مانتے ہیں اور قدرت کو بھی، رب تعالیٰ قانون کا پابند نہیں ہم پابند ہیں۔

دیکھو قانون یہ ہے کہ آگ جلادے مگر ابراہیم علیہ السلام کو نہ جلایا یہ قدرت ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلۡنَا یٰنَارُ کُوۡنِیۡ بَرۡدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤی اِبۡرٰہِیۡمَ ۙ﴿۶۹﴾ (پ ۱۷،الانبیآء:۶۹) ہم نے کہا کہ اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہوجا۔

اسی طرح اور بہت سارے معجزات کا حال ہے اللہ تعالیٰ قادر وقیوم ہے جو چاہے کرے اس کی قدرتوں کا انکار کرنا اپنے ایمان سے ہاتھ دھونا ہے۔ رب تعالیٰ ہم سب کو اس راستہ پر چلائے جو اس کے نیک بندوں کا ہے اور اس زمانہ کی ہواؤں سے ہمارا ایمان محفوظ رکھے۔ آمین آمین یارب العالمین!

وصلی اللہ تعالٰی علی خیر خلقہ سیدنا محمد واٰلہ واصحابہ اجمعین آمین برحمتہ وھو ارحم الرحمین.

ناچیز احمد یار خاں، ۵ ذیقعد ۱۳۷۱ھ، یوم دوشنبہ مبارکہ

''یہ کتاب ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۷۱ھ، دوشنبہ کو شروع ہوکر ۵ ذیقعد ۱۳۷۱ھ، دوشنبہ کو یعنی ایک ماہ بارہ دن میں اختتام کو پہنچی۔ جو کوئی اس سے فائدہ اٹھائے وہ مجھ گنہگار کے لئے حسن خاتمہ کی دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ سے مجھے کلمہ طیبہ پر خاتمہ نصیب کرے اور مجھ گنہگار کی مغفرت فرمادے، اسی لالچ میں یہ محنت کی ہے۔''

احمد یار خاں

مجلس المدینۃ العلمیۃ کی طرف سے پیش کردہ قابلِ مطالعہ کتب

﴿شعبہ کُتُب ِاعلٰی حضرت رحمۃ اللہ علیہ﴾

(۱) کرنسی نوٹ کے شرعی اَحکامات (کِفلُ الفَقِیہِ الفَاھِمِ فِیْ اَحکَامِ قِرطَاسِ الدَّرَاھِمِ) (کل صفحات:199)

(۲) ولایت کا آسان راستہ (تصورِشیخ) (اَلیَاقُوتَۃُ الوَاسِطَۃُ) (کل صفحات:60)

(۳) ایمان کی پہچان (حاشیہ تمہید ایمان) (کل صفحات:74)

(۴) معاشی ترقی کا راز (حاشیہ وتشریح تدبیر فلاح ونجات واصلاح) (کل صفحات:41)

(۵) شریعت وطریقت (مَقَالُ العُرَفَاءِ بِإعزَازِ شَرعٍ وَعُلَمَاءِ) (کل صفحات:57)

(۶) ثبوتِ ہلال کے طریقے (طُرُقُ إثبَاتِ ھِلَالٍ) (کل صفحات:63)

(۷) اعلٰی حضرت سے سوال جواب (إظھَارُ الحَقِّ الجَلِيْ) (کل صفحات:100)

(۸) عیدین میں گلے ملنا کیسا؟ (وِشَاحُ الجِیدِ فِيْ تَحلِیلِ مُعَانَقَۃِ العِیدِ) (کل صفحات:55)

(۹) راہِ خدا عزوجل میں خرچ کرنے کے فضائل (رَادُّ القَحطِ وَالوَبَاءِ بِدَعوَۃِ الجِیرَانِ وَمُوَاسَاۃِ الفُقَرَاءِ) (کل صفحات:40)

(۱۰) والدین، زوجین اور اساتذہ کے حقوق (اَلحُقُوقُ لِطَرحِ العُقُوقِ) (کل صفحات:125)

(۱۱) دعاء کے فضائل (اَحسَنُ الوِعَاءِ لِآدَابِ الدُّعَاءِ مَعَہٗ ذَیلُ المُدَّعَا لِأَحسَنُ الوِعَاءِ) (کل صفحات:140)

شائع ہونے والی عربی کتب:

ازامام اہلسنت مجدد دین وملت مولانا احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن

(۱۲) کِفلُ الفَقِیہِ الفَاھِمِ (کل صفحات:74)۔ (۱۳) تَمھِیدُ الإیمَان ۔ (کل صفحات:77) (۱۴) اَلإجَازَاتُ المَتِینَۃ (کل صفحات:62)۔ (۱۵) اِقَامَۃُ القِیَامَۃِ (کل صفحات:60) (۱۶) اَلفَضلُ المَوْھَبِی (کل صفحات:46) (۱۷) اَجلَی الإعلَامِ (کل صفحات:70) (۱۸) اَلزَّمزَمَۃُ القَمرِیَّۃِ (کل صفحات:93) (۱۹، ۲۰) جَدُّ المُمتَارِ عَلٰی رَدِّالمُحتَارِ (المجلد الاول والثانی) (کل صفحات:570،672)

﴿شعبہ اصلاحی کتب﴾

(۲۱) خوفِ خدا عزوجل (کل صفحات:160)

(۲۲) انفرادی کوشش (کل صفحات:200)

(۲۳) تنگ دستی کے اسباب (کل صفحات:33)

(۲۴) فکرِ مدینہ (کل صفحات:164)

(۲۵) امتحان کی تیاری کیسے کریں؟ (کل صفحات:32)

(۲۶) نماز میں لقمہ کے مسائل (کل صفحات:39)

(۲۷) جنت کی دو چابیاں (کل صفحات:152)

(۲۸) کامیاب استاذ کون؟ (کل صفحات:43)

(۲۹) نصاب مدنی قافلہ (کل صفحات:196)

(۳۰) کامیاب طالب علم کون؟ (کل صفحات: تقریباً63)

(۳۱) فیضانِ احیاء العلوم (کل صفحات:325)

(۳۲) مفتیٔ دعوتِ اسلامی (کل صفحات:96)

(۳۳) حق وباطل کا فرق (کل صفحات:50)

(۳۴) تحقیقات (کل صفحات:142)

(۳۵) اربعین حنفیہ (کل صفحات:112)
(۳۶) عطاری جن کا غسلِ میّت (کل صفحات:24)
(۳۷) طلاق کے آسان مسائل (کل صفحات:30)
(۳۸) توبہ کی روایات وحکایات (کل صفحات:124)
(۳۹) قبر کھل گئی (کل صفحات:48)
(۴۰) آدابِ مرشدِ کامل (مکمل پانچ حصے) (کل صفحات:275)
(۴۱) ٹی وی اور مُووی (کل صفحات:32)
(۴۲ تا ۴۸) فتاوی اہل سنت (سات حصے)
(۴۹) قبرستان کی چڑیل (کل صفحات:24)
(۵۰) غوثِ پاک رضی اللہ عنہ کے حالات (کل صفحات:106)
(۵۱) تعارفِ امیر اہلسنّت (کل صفحات:100)
(۵۲) رہنمائے جدول برائے مدنی قافلہ (کل صفحات:255)
(۵۳) دعوتِ اسلامی کی جیل خانہ جات میں خدمات (کل صفحات:24)
(۵۴) مدنی کاموں کی تقسیم (کل صفحات:68)
(۵۵) دعوتِ اسلامی کی مَدَنی بہاریں (کل صفحات:220)
(۵۶) تربیتِ اولاد (کل صفحات:187)
(۵۷) آیاتِ قرانی کے انوار (کل صفحات:62)
(۵۸) احادیثِ مبارکہ کے انوار (کل صفحات:66)
(۵۹) فیضانِ چہل احادیث (کل صفحات:120)
(۶۰) بدگمانی (کل صفحات:۵۷)

شعبہ تراجمِ کتب

(۶۱) جنت میں لے جانے والے اعمال (اَلْمَتْجَرُ الرَّابِحُ فِیْ ثَوَابِ الْعَمَلِ الصَّالِحِ) (کل صفحات:۷۴۳)
(۶۲) شاہراہ اولیاء (مِنْهَا جُ الْعَارِفِيْنَ) (کل صفحات:36)
(۶۳) حسنِ اخلاق (مَكَارِمُ الْاَخْلَاق) (کل صفحات:74)
(۶۴) راہِ علم (تَعْلِيْمُ الْمُتَعَلِّم طَرِيقَ التَّعَلُّم) (کل صفحات:102)
(۶۵) بیٹے کو نصیحت (اَيُّهَاالْوَلَد) (کل صفحات:64)
(۶۶) الدعوة الى الفكر (کل صفحات:148)
(۶۷) نیکیوں کی جزائیں اور گناہوں کی سزائیں (قُرَّةُ الْعُيُوْن وَمُفَرِّحُ الْقَلْبِ الْمَحْزُوْن) (کل صفحات:136)
(۶۸) آنسوؤں کا دریا (بَحْرُ الدُّمُوْع) (کل صفحات:301)

شعبہ درسی کتب

(۶۹) تعریفاتِ نحویہ (کل صفحات:45)
(۷۰) کتاب العقائد (کل صفحات:64)
(۷۱) نزهة النظر شرح نخبة الفكر (کل صفحات:175)
(۷۲) اربعین النوویہ (کل صفحات:121)
(۷۳) نصاب التجوید (کل صفحات:79)
(۷۴) گلدستہ عقائد واعمال (کل صفحات:180)
(۷۵) وقاية النحو فی شرح هداية النحو

شعبہ تخریج

(۷۶) عجائب القران مع غرائب القران (کل صفحات:422)
(۷۷) جنتی زیور (کل صفحات:679)
(۷۸ تا ۸۲) بہارِ شریعت (پانچ حصے)
(۸۳) اسلامی زندگی (کل صفحات:170)
(۸۴) آئینۂ قیامت (کل صفحات:108)
(۸۵) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم (کل صفحات:274)
(۸۶) اُمہات المؤمنین (کل صفحات:59)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُنّت کی بہاریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ عَزَّوَجَلَّ تبلیغِ قرآن وسُنّت کی عالمگیر غیر سیاسی تحریک دعوتِ اسلامی کے مہکے مہکے مَدَنی ماحول میں بکثرت سُنّتیں سیکھی اور سکھائی جاتی ہیں، ہر جمعرات مغرب کی نَماز کے بعد آپ کے شہر میں ہونے والے دعوتِ اسلامی کے ہفتہ وار سُنّتوں بھرے اجتماع میں ساری رات گزارنے کی مَدَنی اِلتجا ہے، عاشقانِ رسول کے مَدَنی قافلوں میں سُنّتوں کی تربیت کے لیے سفر اور روزانہ "فکرِ مدینہ" کے ذَرِیعے مَدَنی اِنعامات کا رِسالہ پُر کر کے اپنے یہاں کے ذِمّہ دار کو جمع کروانے کا معمول بنا لیجئے اِنْ شَآءَ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ اِس کی بَرَکت سے پابندِ سُنّت بننے، گناہوں سے نفرت کرنے اور ایمان کی حفاظت کے لیے کُڑھنے کا ذِہن بنے گا۔

ہر اسلامی بھائی اپنا یہ ذِہن بنائے کہ **"مجھے اپنی اور ساری دنیا کے لوگوں کی اِصلاح کی کوشش کرنی ہے۔"** اِنْ شَآءَ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ اپنی اِصلاح کے لیے **"مَدَنی اِنعامات"** پر عمل اور ساری دنیا کے لوگوں کی اِصلاح کی کوشش کے لیے **"مَدَنی قافلوں"** میں سفر کرنا ہے۔ اِنْ شَآءَ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ

مکتبۃ المدینہ کی شاخیں

- کراچی: شہید مسجد، کھارادر۔ فون: 021-32203311
- لاہور: داتا دربار مارکیٹ، گنج بخش روڈ۔ فون: 042-37311679
- سردار آباد (فیصل آباد): امین پور بازار۔ فون: 041-2632625
- کشمیر: چوک شہیداں، میرپور۔ فون: 058274-37212
- حیدرآباد: فیضانِ مدینہ، آفندی ٹاؤن۔ فون: 022-2620122
- ملتان: نزد پیپل والی مسجد، اندرون بوہڑ گیٹ۔ فون: 061-4511192
- اوکاڑہ: کالج روڈ بالمقابل غوثیہ مسجد، نزد تحصیل کونسل ہال۔ فون: 044-2550767
- راولپنڈی: فضل داد پلازہ، کمیٹی چوک، اقبال روڈ۔ فون: 051-5553765
- پشاور: فیضانِ مدینہ، گلبرگ نمبر 1، النور اسٹریٹ، صدر۔
- خان پور: دُرانی چوک، نہر کنارہ۔ فون: 068-5571686
- نواب شاہ: چکرا بازار، نزد MCB۔ فون: 0244-4362145
- سکھر: فیضانِ مدینہ، بیراج روڈ۔ فون: 071-5619195
- گوجرانوالہ: فیضانِ مدینہ، شیخوپورہ موڑ، گوجرانوالہ۔ فون: 055-4225653
- گلزارِ طیبہ (سرگودھا): فیضانِ مدینہ ... فون: 048-6007128

مکتبۃ المدینہ (دعوتِ اسلامی)

فیضانِ مدینہ، محلہ سوداگران، پرانی سبزی منڈی، باب المدینہ (کراچی)

فون: 34921389-93/34126999 فیکس: 34125858

Web: www.dawateislami.net / Email:maktaba@dawateislami.net